AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلئے ہمارا یوٹیوب

USMAN NOTES | AIOU Code 364 Helping Key Book (Urdu - II (FA / Inter))
Official Website: www.usmannotes.com | WhatsApp Orders: +92 324 5836626

YouTube Joher Videos

بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔خلاصہ جات۔اردو میڈیم کتابیں۔حل شدہ
اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلئے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com



USMAN NOTES
www.usmannotes.com

USMAN NOTES | Learn and Earn | AIOU Solved Books
WhatsApp Support: +92 324 5836626
www.usmannotes.com

فہرست

یونٹ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
2-1	مضامین	5
3	افسانہ	35
4	شخصیت نگاری	68
5	طنز و مزاح	85
6	غزل	98
8-7	نظمیں	138
9	قواعد و انشاء	188
10	اہم اقتباسات کی تشریح	216

AIOU کے اہم وڈیو لیکچرز گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube Joher Videos

☆☆R☆☆

باب ۲

مضامین

(۱) "مولانا محمد حسین آزاد"

حالات زندگی

مولانا محمد حسین آزاد 1830ء میں دلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی کا نام مولوی باقر علی تھا۔ معروف شاعر ابراہیم ذوق ان کے دوست تھے۔ محمد حسین آزاد نے ابتدائی تعلیم اور شعر گوئی کا ذوق انہیں کے فیض سے پایا۔ بعدازاں دہلی کالج سے تعلیم مکمل کی۔ 1857ء میں ان کے والد پر انگریزوں کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلا اور انہیں پھانسی دے دی گئی۔ ان حالات سے دل برداشتہ ہوکر وہ لکھنو چلے گئے۔

ملازمت

کچھ عرصہ قیام کے بعد 1864ء میں لاہور چلے آئے اور سررشتہ تعلیم میں پندرہ روپے ماہوار پر ملازمت اختیار کرلی۔ اسی دوران کابل، بخارا اور ایران کا سفر بھی کیا۔ اپنے محکمے کے ڈائریکٹر کرنل ہالرائیڈ کی سرکردگی میں انجمن پنجاب کے زیر اہتمام مشاعروں کی بنیاد ڈالی۔ آزاد گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی اور فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتے رہے۔

شمس العلماء کا خطاب

ان کی ادبی خدمات کے صلے میں 1887ء میں حکومت برطانیہ کی طرف سے ان کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

وفات

اپنی لاڈلی بیٹی کی بے وقت موت نے ان کے ہوش وحواس چھین لیے اور دیوانگی کے

کو اردو ادب کی تاریخ میں ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس کے علاوہ "دربار اکبری، سخندان فارس، نیرنگ خیال اور قصص ہند" بھی بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔

اسلوب نگارش

ان کے اسلوب کی خوبی الفاظ کا شکوہ اور جلال ہے۔ زبان کی لطافت اور شیرینی میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ نثر میں شاعرانہ خیال آفرینی محسوس ہوتی ہے۔ ان کا لفظ لفظ اپنے قاری سے ہمکلام دکھائی دیتا ہے۔ مرقع نگاری میں ان کا جواب نہیں۔ نثر میں تشبیہات اور استعارے استعمال کرنے کا حسن اور سلیقہ کوئی ان سے سیکھے۔ شامل نصاب مضمون ان کی کتاب "نیرنگ خیال" سے لیا گیا ہے۔

☆☆☆

سبق "سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ"

(از مولانا محمد حسین آزاد)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
دیو آتش زاد	آگ سے پیدا کیا جانے والا شیطان	استقلال	ثابت قدمی
مروت	لحاظ۔ پاس	تنفر ہونا	نفرت پیدا ہونا
سفلہ نابکار	بے کار کمینہ۔ نکما کم طرف	سنگت	ساتھ۔ رفاقت۔ صحبت
طاق ہونا	ماہر ہونا	نیرنگ کاری	شعبدہ بازی۔ دغا۔ فریب
مشت خاک	مٹھی بھر مٹی۔ مراد ہے انسان جو خاک سے پیدا کیا گیا ہے	جزوی جزوی	چھوٹی موٹی
زنجیری	قیدی	مزدار	حرام۔ ناپاک

عالم سفلی	خبیث روحوں کی دنیا۔ نیچلی اور خباثت کی حالت	ہوس و ہوا پرست	حرص اور لالچ کا بندہ
دبدبۂ خسروانہ	بادشاہوں کا سا رعب داب	بے اوسان	بے ہوش و حواس
لاف و گزاف	بے ہودہ شیخی	طراری	زبان کی شوخی۔ چالاکی
بادہوائی	جھوٹا وعدہ۔ فضول باتیں	سانچ کو آنچ نہیں	سچ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
اصالت	شرافت۔ اصلیت	رزم نامہ	جنگ کا حال
دروغ شاہ	سب سے بڑا جھوٹا۔ جھوٹ کا بادشاہ	ملک گیری	ملک فتح کرنا

مرکزی خیال

سچ اور جھوٹ یا حق و باطل کی معرکہ آرائی ازل سے جاری ہے۔ جو لوگ سچ کا ساتھ دیتے ہیں۔ ان کو اسکی کچھ نہ کچھ قیمت بھی ادا کرنی پڑتی ہے۔ دوسری طرف دروغ گوئی اور جھوٹ عیاری اور مکاری سے کام لیتا ہے۔ اور بوقت ضرورت مصلحت کوشی اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے اکثر جھوٹ ہی فتح مند دکھائی دیتا ہے۔ لیکن جھوٹ کی یہ فتح مندی عارضی ہوتی ہے۔ اور آخر میں ہمیشہ سچ غالب آتا ہے۔

☆☆☆

خلاصہ

سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ دراصل جانس (Johnson) کے ایک مضمون کا چربہ ہے۔ یہ ایک تمثیلی مضمون ہے۔ اس کا اخلاقی مقصد بھی ہے بیان بھی قصہ پن لئے ہوئے ہے۔ رنگینی عبارت اور لفظوں کے نقش و نگار میں قاری کھو کے رہ جاتا ہے۔

اس سبق میں محمد حسین آزاد نے سچ اور جھوٹ کے درمیان روز اول سے جاری جنگ کو موضوع بنایا ہے۔ سچائی کا ساتھ دینا اور ہمیشہ سچ بولنا سب سے مشکل کام ہے۔ انسان چونکہ کمزور ہے۔ اس لئے اسے اکثر جھوٹ بول کر اپنی جان اور عزت بچانا پڑتی ہے۔ ہم سچ سننے کی

بجائے خوشامدیوں کی باتوں پر زیادہ کان دھرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرف جھوٹ کرتا ہے۔ دنیا میں سچائی اور جھوٹ کی ازلی آویزش کو مصنف نے تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ سچائی اور جھوٹ کی اس جنگ میں ایک طرف ملکہ صداقت تھی اور اس کے مقابلے میں دوسری طرف اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دروغ دیوزاد تھا۔

ملکہ صداقت کی ذمہ داری دنیا میں سچائی کا نور پھیلانا تھا، تاکہ دنیا میں جھوٹ کی تاریکی ختم ہو سکے اور صداقت کا بول بالا ہو لیکن دروغ دیوزاد ایسے ایسے روپ بدل کر سامنے آجاتا کہ ملکہ کی کوئی پیش نہ چلتی تھی۔ لالچ اور ہوس چونکہ دروغ دیوزاد کے دوست تھے، اس لئے میدان جنگ میں ملکہ کو منہ کی کھانی پڑتی۔ اس لڑائی میں ملکہ کو زخم بھی آتے۔ ملکہ کی دانائی سے دروغ دیوزاد اگرچہ بہت ڈرتا تھا لیکن اسے اپنی مکاری اور شعبدہ بازی پر بہت ناز تھا اور وہ دانائی کی ایک نہ چلنے دیتا۔ وہ بار بار اس میدان میں ملکہ سے شکست کھاتا، لیکن بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پھر سامنے آموجود ہوتا۔

ملکہ کا زیادہ بس نہ چلتا تھا۔ دروغ دیوزاد کہ جس کی سلطنت اب وسعت اختیار کرتی جاتی تھی، دنیا میں کامیاب و بامراد تھا اور ملکہ پسپا ہوتی جاتی تھی۔ عالم بالا میں جب اس صورت حال پر غور کیا گیا، تو یہ پتا چلا کہ ملکہ عقلمند تو ہے، لیکن مصلحت سے عاری ہے۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ملکہ صداقت مصلحت سے کام بھی لے، کیوں کہ مصلحت کے بغیر کسی کے لئے سچائی کو قبول کرنا مشکل ہوتا ہے۔ چنانچہ ملکہ نے مصلحت کا لباس پہن لیا جس کے باعث ملکہ کی حکمرانی دیکھتے ہی دیکھتے مضبوط اور وسیع ہونے لگی۔ وقت آنے پر جب بھی وہ مصلحت کا لباس اتارتی تھی، تو سچائی کا نور چاروں طرف پھیل جاتا تھا۔

☆☆☆

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

1۔ فارس کے شرفا اپنے بچوں کو کون کون سی تین باتوں کی تعلیم دیتے تھے؟

جواب: فارس کے شرفا اپنے بچوں کو شہسواری، تیراندازی اور راست بازی کی تعلیم دیتے تھے۔

سوال 2: خوشامد کون کرتا ہے؟

جواب: ڈرپوک انسان، ڈر کے مارے خوشامد کرتا ہے۔

سوال 3: حکیم لوگوں کو جھوٹ سے متنفر کرنے کیلئے کیا تدبیریں کرتے ہیں اور جس طرح بچوں کو کڑوی دوا مٹھائی میں ملا کر کھلاتے ہیں۔ اسی طرح مختلف طریقوں سے جھوٹ کو چھوڑنے کی نصیحت کرتے ہیں۔

جواب: حکیم لوگوں کو جھوٹ سے متنفر کرنے کیلئے مختلف تدبیریں کرتے ہیں اور جس طرح

سوال 4: ملکۂ صداقت زمانی کی ماں کا نام کیا تھا؟

جواب: ملکہ صداقت زمانی کی ماں کا نام ملکہ دانش خاتون تھا۔

سوال 5: عالم بالا میں ملکہ صداقت کو کون سا لباس پیش کیا گیا اور کیوں؟

جواب: عالم بالا میں ملکہ صداقت کو ''مصلحت زمانہ'' کا لباس پیش کیا گیا کیونکہ زمانہ ایسا ہے۔ کہ دور اندیشی اور مصلحت وقت کے بغیر کام نہیں چلتا۔

سوال 6: سبق ''سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ'' کس کی تحریر ہے؟

جواب: سبق ''سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ'' مولانا محمد حسین آزاد کی تحریر ہے۔

سوال 7: جھوٹ کی قلعی کب کھلتی ہے؟

جواب: جب سچ اپنا اصلی نور پھیلاتا ہے تو جھوٹ کی قلعی کھل جاتی ہے۔

2۔ سبق ''سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ'' کے تناظر میں یہ جملے مکمل کریں۔

1۔ اس میں شک نہیں ہے کہ دنیا ..... جلہ ہے۔ (بری)

2۔ ملکہ صداقت زمانی ..... کی بیٹی تھی۔ (سلطانِ آسمانی)

3۔ جاؤ اولاد آدم میں اپنا ..... پھیلاؤ۔ (نور)

4۔ ملکہ صداقت کبھی کبھی ..... بھی ہوتی تھی۔ (زخمی)

5۔ جھوٹ کی ..... دور دور تک پھیل گئی ہے۔ (عملداری)

سوال 8: درج ذیل تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

تراکیب	جملوں میں استعمال
راست بازی	انسان کو چاہیئے کہ ہمیشہ راست بازی اور سچائی کے راستے پر قائم رہے۔
کرشت خاک	اللہ تعالیٰ نے مشت خاک کو اشرف المخلوقات کا منصب عطا فرمایا ہے۔
عالم سفلی	عالم سفلی میں جھوٹ اور فریب کی حکمرانی تھی۔
فتح یاب	عزم و ہمت سے انسان زندگی کے ہر میدان میں فتح یاب ہو سکتا ہے۔
صدر انجمن	صدر انجمن کی اجازت سے جلسے کی کاروائی کا آغاز ہوا۔

www.joheraiou.com
YouTube Joher Videos

(۲) "علامہ شبلی نعمانی"

حالات زندگی

علامہ شبلی نعمانی 1857ء میں موضع بندول ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد شیخ حبیب اللہ کا شمار چوٹی کے وکیلوں میں ہوتا تھا۔ عربی، فارسی اور حدیث وفقہ کی تعلیم اپنے عہد کے جید علما سے حاصل کی۔ علامہ شبلی نابغہ روزگار تھے وہ بیک وقت عالم دین، سیرت نگار، محقق، مقالہ نگار، شاعر، نقاد اور ماہر تعلیم تھے۔

درس وتدریس

انہوں نے 19 سال کی عمر میں حج کی سعادت حاصل کی اور واپسی پر اعظم گڑھ میں سلسلہ درس وتدریس شروع کیا۔ 1882ء میں علی گڑھ کالج میں پروفیسر مقرر ہو گئے۔

ملی خدمات

انہیں سرسید احمد خان اور ان کے تمام رفقا سے رفاقت کا شرف حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ملت اسلامیہ کا درد ان کی روح میں سمایا ہوا تھا۔ ان کی علمی، فکری اور ادبی زندگی کا مقصد مسلمانان پاک وہند کو زوال، مایوسی اور تقلید پرستی کے اندھیروں سے نکالنا تھا۔ ان کی قومی اور ملی شاعری نے مسلمانوں کی غیرت اور حمیت کو بیدار کیا۔ ان کی علمی خدمات کے صلے میں حکومت برطانیہ نے انہیں "شمس العلماء" کے خطاب سے نوازا، جبکہ حکومت ترکی کی طرف سے انہیں "تمغہ مجیدیہ" سے سرفراز کیا گیا۔

تصانیف

ان کی تصانیف میں معرکہ آرا تصنیف "سیرت النبیؐ" ہے۔ اس کے علاوہ ان کی مختلف موضوعات پر مشتمل کتابوں میں "شعر العجم، الفاروق، المامون، الغزالی، علم الکلام، سوانح

انداز تحریر

ان کا انداز تحریر بہت عالمانہ ہے۔ ان کی تحریر جوش اور تدبر کا بہترین امتزاج ہے۔ وہ چونکہ ایک بلند پایہ سیرت نگار تھے، اس لئے ان کی نثر میں سراپا نگاری، جزئیات نگاری، منظر کشی جیسی خصوصیات پائی جاتی ہیں، جو ان کی تحریر کو دلچسپ اور فکر انگیز بنا دیتی ہیں۔

وفات

علامہ شبلی کا انتقال 1914ء میں ہوا اور وہ اعظم گڑھ میں مدفون ہوئے۔

☆☆☆☆

سبق "مامون الرشید"

(از علامہ شبلی نعمانی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خودسر	سرکش، مغرور	فرمانروا	حکمران
روز افزوں	ترقی پذیر	مصارف	خرچ، اخراجات
مرفع الحالی	خوش حالی	روزینے	وظیفے
خمیازہ	نقصان	موقوف کر دیا	بند کر دیا
ہم سری	برابری	حلم	قوت برداشت
عفو	معاف کرنا	باایں ہمہ	اسکے باوجود
جاہ و حشم	شان و شوکت	صیغے	شعبے
دولت عباسیہ	عباسی خاندان کی سلطنت	خراج	ایک قسم کا ٹیکس جو مفتوحہ علاقے کے حکمران سے لیا جاتا تھا۔
فیاضی	سخاوت	شاکی	شکایت کرنے والا

خلاصہ

مامون الرشید کی حکومت ہندوستان کی سرحد سے لے کر بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی

تھی۔ ہارون الرشید کے مفتوحہ علاقوں میں مامون الرشید نے بہت اضافہ کیا، جس سے سرکار کے خراج میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ ان دونوں حکمرانوں کے دور ہی میں نئے شہر آباد ہونا شروع ہوئے اور زراعت جیسے پیشے کو ترقی ملی۔

اتنی وسیع سلطنت کا انتظام چلانے کے لئے مامون ہر علاقے میں خود جا کر مناسب احکامات جاری کرتا۔ مصر کے ایک گاؤں کی مالک ایک بڑھیا تھی۔ جب اسے مامون کی آمد کی خبر ہوئی، اس نے مامون کو اپنے ہاں کھانے کی دعوت دی۔ واپسی پر بڑھیا نے مامون کو دس تھیلی اشرفیاں نذر کیں، جس سے اس کی سلطنت کی خوش حالی اور حسن انتظام کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ محتاجوں، ضرورت مندوں، یتیموں اور بیواؤں کی بیت المال سے امداد کی جاتی۔ پوری سلطنت کے معاملات اور حالات و واقعات سے باخبر رہنے کے لئے مامون نے سترہ سو عورتیں مقرر کر رکھی تھیں، جو شہر کے چپے چپے کی خبریں لا کر خلیفہ کو پیش کرتیں۔

رعایا کے حالات سے باخبر ہونے کے بعد مامون ضرورت کے مطابق احکامات جاری کرتا اور بعض اوقات سائلین کی فوری حاجت روائی بھی کر دیتا۔ مامون کا معمول تھا کہ اتوار کے دن صبح سے دوپہر تک دربار عام کرتا، جس میں امیر غریب عوام حکمران سب کو مساوی درجہ ملتا۔ ایک دن ایک بڑھیا کی شکایت پر اپنے بیٹے عباس کے خلاف فیصلہ دیتے ہوئے بڑھیا کی جائیداد کی واپسی کا حکم دیا۔ ایک بار کسی مقدمے کے سلسلے میں خود مامون کو عدالت میں حاضر ہونا پڑا۔ جب قاضی نے خلیفہ وقت کے ساتھ بھی عام لوگوں جیسا سلوک کیا، تو مامون خوش ہوا اور قاضی کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا۔

مامون کی فطرت میں رحمدلی بھی حد درجہ موجود تھی۔ مامون الرشید اتنی وسیع سلطنت کا حکمران ہونے کے باوجود نہایت سادہ مزاجی اور بے تکلفی سے زندگی بسر کرتا تھا۔ دوستوں سے ملنے میں شان سلطنت کا لحاظ رکھنا ناپسند کرتا تھا۔ اکثر اہل علم اس کے ہاں مہمان ہوتے۔ ایک رات قاضی یحییٰ مہمان تھے، شدید پیاس سے آدھی رات کو ان کی آنکھ کھل گئی، تو مامون الرشید خود جا کر قاضی صاحب کے لئے پانی لے کر آیا۔ اس کے باوجود مامون الرشید شاہی شان کا بھی قائل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک یورپی مؤرخ لکھتا ہے کہ جب حضرت عمرؓ شام کے سفر پہ روانہ ہوئے، تو زادراہ فقط ایک اونٹ پہ پورا آ گیا، لیکن جب مامون شکار کو نکلا، تو تین سو اونٹ بھی سامان سفر کے لئے کم پڑ گئے۔

مامون الرشید انتہا درجے کا سخی اور فیاض حکمران تھا۔ ایک موقع پر ایک شخص نے نمک نذر کیا، تو واپسی میں دونوں تھیلیاں اشرفیوں سے بھر کر بھیجیں۔ تمام تر فیاضیوں اور سخاوتوں کے

باوجود مامون الرشید کی سلطنت کا انتظام وانصرام نہایت خوش اسلوبی سے چلتا۔ ملک خوشحال تھا، سرکاری خزانے بھرے پڑے تھے، مامون الرشید دولت رعایا میں تقسیم کرنے کے حوالے سے سخاوت اور فیاضی کا مظاہرہ کرتا تھا۔

☆☆☆



مشقی سوالات اوران کا حل

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیں۔

(الف) مامون الرشید کی سلطنت کی حدود کہاں تک پھیلی ہوئی تھیں؟

جواب: مامون الرشید کی سلطنت کی حدود ہندوستان کی سرحد سے لیکر بحراوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھیں۔

(ب) بڑے اضلاع کا انتظام چلانے کیلئے مامون الرشید نے کیا طریقہ اپنایا؟

جواب: بڑے اضلاع کا انتظام چلانے کے لئے مامون الرشید خود وہاں کا دورہ کرتا اور ہر جگہ دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کے احکامات جاری کرتا۔

(ج) فقروفاقہ کے شاکی شخص کیلئے سلطنت کے کیا قوانین تھے؟

جواب: فقروفاقہ کے شاکی شخص کے لئے سلطنت کے قوانین میں یہ بات شامل تھی۔ کہ اس مقام کا حاکم یا تو اس کو کوئی کام دے یا بیت المال سے وظیفہ مقرر کر دے۔

(د) سلطنت کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے مامون الرشید نے کیا طریقہ اپنایا؟

جواب: سلطنت کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے مامون الرشید نے خفیہ محکمے میں سترہ سو عورتیں مقرر کی تھیں جو اس کو مکمل حالات سے باخبر رکھتی تھیں لیکن مامون کے سوا کسی کو ان کے نام ونشان کی اطلاع نہ تھی۔

(ہ) مامون الرشید نے دربار عام میں اپنے بیٹے عباس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

جواب: مامون الرشید کے بیٹے عباس نے ایک بڑھیا کی جائیداد پر قبضہ کرلیا تھا۔ بڑھیا نے ایک دن مامون کے دربار میں شکایت پیش کی۔ اس وقت عباس اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھا تھا۔ مامون نے وزیراعظم کو حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے برابر لے جا کر کھڑا کر دے۔ اور دونوں کے بیانات سنے۔ شہزادہ عباس رک رک کر بات کرتا تھا۔ جبکہ بڑھیا بے باکی سے بلند آواز میں بات کر رہی تھی۔ وزیراعظم نے بڑھیا کو ٹوکا کہ خلیفہ کے سامنے چلا کر بات کرنا خلاف ادب ہے۔ اس پر مامون نے کہا نہیں بڑھیا جس طرح چاہیے اس کو آزادی سے بات کرنے دو۔

سچائی نے اس کی زبان تیزی کر دی اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔ آخر مقدمے کا فیصلہ بڑھیا کے حق میں ہوا اور جائیداد واپس دلا دی گئی۔

(و) بہت زیادہ حلیم ہونے کے باوجود غمازوں کے ساتھ مامون الرشید کس قسم کا سلوک روا رکھتا تھا؟

جواب: بہت زیادہ حلیم ہونے کے باجود مامون غمازوں (چغل خوروں) کا جانی دشمن تھا۔ اس کے سامنے جب غمازوں کا ذکر آتا تو اکثر کہا کرتا کہ ان لوگوں کی نسبت تم کیا خیال کرتے ہو؟ جن کے سچ کہنے پر بھی خدا نے لعنت کی ہے۔

(ز) دوستوں کے ساتھ مامون الرشید کا سلوک کس قسم کا تھا؟

جواب: مامون الرشید وسیع اسلامی دنیا کا بادشاہ ہونے کے باوجود عام دوستوں کے ساتھ اس کا برتاؤ ایسا ہوتا تھا جیسا کہ ایک خالص دوست کا دوست کے ساتھ ہوتا ہے۔

(ح) مامون الرشید کے دل میں اہل علم کا کیا مقام و مرتبہ تھا؟

جواب: اہل علم کے لئے مامون کے دل میں بہت زیادہ عزت و احترام تھا۔ وہ خود اہل علم کی خدمت اور خاطر مدارات کرتا اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتا۔

سوال 2: درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ ہندوستان کے سرحدی شہروں میں کس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا؟

(الف) مامون الرشید (ب) امین الرشید

(ج) ہارون الرشید (د) عمر بن عبدالعزیز

2۔ مامون الرشید کے عہد میں کل خراج وصول ہوتا تھا۔

(الف) اکیس کروڑ (ب) اکیس کروڑ پچاس لاکھ

(ج) اکتیس کروڑ (د) اکتیس کروڑ پچاس لاکھ

3۔ شہری خبر گیری کیلئے کتنی عورتیں مقرر تھیں۔

(الف) پندرہ سو (ب) سولہ سو (ج) سترہ سو (د) اٹھارہ سو

4۔ مامون الرشید نے مقدمہ کا فیصلہ کس کے حق میں سنایا؟

(الف) بڑھیا کے (ب) عباس کے (ج) وزیر اعظم کے (د) کسی کے بھی نہیں

5۔ مامون الرشید کے سامان سفر کیلئے کتنے اونٹ کم پڑ جاتے؟

(الف) دوسو (ب) تین سو (ج) چار سو (د) پانچ سو

سوال 3: خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) مامون الرشید کی سلطنت کی حدود ہندوستان سے لے کر ..... تک پھیلی ہوئی تھی۔
(بحر اوقیانوس)

(ب) مامون الرشید کے عہد میں وصول ہونے والا کل خراج ..... روپے تھا۔
(اکتیس کروڑ پچاس لاکھ)

(ج) ملک کے ہر حصے میں معذور محتاج، اپاہج، بیوہ، یتیم سب کے ..... مقرر تھے۔
(روزینے)

(د) مامون نے ..... کے زمانہ حکومت میں غفلت کی تھی۔ (خراسان)

(ہ) مامون کا دعویٰ تھا کہ بڑے سے بڑا جرم بھی میرے ..... کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ (حلم)

سوال 4: غلط اور درست جملوں کی نشاندہی کریں۔

(الف) اسلامی دنیا کا کوئی خطہ اسپین کے سوا اس کی حکومت سے آزاد نہ تھا۔ (درست)

(ب) مامون نے سلطنت کے بڑے اضلاع کا دورہ کبھی نہ کیا۔ (غلط)

(ج) مامون نے مقدمے کا فیصلہ اپنے بیٹے عباس کے حق میں دیا۔ (غلط)

(د) مامون بڑی عظمت و شان کا بادشاہ تھا۔ (درست)

(ہ) بڑھیا نے کہا: سونا تو ہمارے گاؤں کی کانوں میں پیدا ہوتا ہے۔ (غلط)

☆☆☆☆☆



Joher Videos
www.joheraiou.com

(۳) "مہدی افادی"

حالات زندگی

اصل نام مہدی حسن تھا، لیکن ادب و شاعری کی دنیا میں مہدی افادی کے نام سے شہرت حاصل کی۔ ان کی پیدائش 1877ء میں ہوئی۔ ان کا خاندان اپنی شرافت اور نیک نامی کے باعث گورکھ پور میں مشہور تھا۔ ان کے والد کا نام شیخ حاجی علی حسن تھا، وہ کورٹ انسپکٹر تھے۔ مہدی افادی نے دستور عام کے مطابق گھر میں عربی اور فارسی کی تعلیم حاصل کی۔ علوم جدیدہ کی تحصیل کے لئے اسکول میں بھی داخل ہوئے اور علی گڑھ میں بھی مقیم رہے۔ اپنی عملی زندگی کا آغاز معمولی نوعیت کی ملازمتوں سے کیا، تاہم بتدریج ترقی کرتے کرتے تحصیل دار کے عہدے پر جا پہنچے۔ وہ مزاجاً بڑے نفیس تھے اور صاحب طرز اسلوب نگار۔ ان کی نفاست پسندی تحریر ہی سے عیاں نہ تھی، بلکہ آداب خورد و نوش، لباس کی تراش خراش، گھر کی آرائش اور وضع قطع میں بھی حسن اور خوب صورتی کو پسند کرتے تھے۔

اسلوب تحریر

مہدی افادی کا بھی وہی اسلوب تحریر ہے، جو سجاد حیدر یلدرم اور محمد حسین آزاد کی تحریروں کا خاصا ہے۔ یہ اسلوب اصطلاحاً "ادب لطیف" کہلاتا ہے۔ اردو میں رومانوی تحریک کو جن لوگوں نے پروان چڑھانے کی بھرپور کوشش کی، ان میں ایک نام مہدی افادی کا بھی ہے۔ آزاد کا سا تمثیلی انداز ان کی تحریروں کو بھی دلکش اور توانا بنا دیتا ہے۔ ان کی تحریروں میں جمالیاتی پہلو بہت نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نثر میں بھی غزل جیسا گداز پایا جاتا ہے۔ عربی، اردو، فارسی کی خوب صورت تراکیب کا استعمال ان کی تحریر میں جان پیدا کر دیتا ہے۔ نئی نئی تراکیب وضع کرنے میں ان کا جواب نہیں۔

تصانیف

مہدی افادی کے مضامین کے مجموعے کا نام ''افادات مہدی'' ہے۔ یہ مجموعہ ان کے انتقال کے بعد ان کی اہلیہ نے مرتب کر کے شائع کرایا۔ اس کے علاوہ ان کے خطوط کا مجموعہ بھی زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے۔

وفات

مہدی افادی نے 21 نومبر 1921ء کو وفات پائی۔

☆☆☆

سبق ''سقراط''

(از مہدی افادی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
وحید عصر	زمانے میں بے مثال	منشا	مرضی۔ مقصد
سونے پر سہاگہ	کسی خوبی پر مزید اضافہ	انحراف کرنا	بغاوت کرنا
احباب	حبیب کی جمع۔ دوست	عالی ظرف	بڑے حوصلے والا
رعایت	لحاظ	وضع	حالت
باقتضائے آئین	دستور کے مطابق	نکتہ سنجیاں	نکتہ آفرینیاں بات سے بات پیدا کرنا
گردن زدنی	قتل کیے جانے کے لائق	خون ناحق	بے جرم قتل
خوگر	پیکر، عادی	رائیگاں کرنا	ضائع کرنا
پس انداز کرنا	بچانا	کتب بینی	مطالعہ کتب
واجب الرحم	رحم کے قابل	مربی	مہربانی کرنے والا، محسن
تاریک خیال	سطحی خیال	مزاحمت	مقابلہ
جمادات	پتھر	اکتساب علم	علم کا حصول

خلاصہ

اس مضمون میں مہدی افادی نے یونان کے عظیم فلسفی سقراط کی شخصیت اور اس کے بعض افکار و خیالات پر روشنی ڈالی ہے۔ سقراط یونان کے شہر ایتھنس میں 468 ق۔م میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک بت تراش تھا۔ اس وقت کے دستور کے مطابق سقراط پہلے پہل فوج میں بھرتی ہوا۔ کئی لڑائیوں میں اس نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ ذنوفن اور ایلسی بایڈیز جیسے صاحبان فن کی جان بچائی اور بدلے میں ان کی محبت پائی۔ قدرتی طور پر ذہن میں اعلیٰ درجے کی صلاحیت موجود تھی۔ لہٰذا بہت تیزی سے طبیعت نے فلسفے کا اثر قبول کیا۔ سقراط مذہب کا مبلغ تھا اور سادگی پسند تھا۔ جب اس کی علمی دسترس بڑھی، تو باغوں اور دریا کے کنارے شاگردوں کو درس دینے لگا، لیکن لوگوں نے حسد کے مارے یہ مشہور کر دیا کہ سقرط نوجوانوں کا اخلاق تباہ کر رہا ہے اور انہیں والدین کی اطاعت سے منحرف کر رہا ہے۔ اسی ناکردہ جرم کی پاداش میں اس پر مقدمہ چلایا گیا اور اسے زہر کا پیالہ پینے کی سزا دی گئی۔ سقراط کی سوانح ذنوفن اور افلاطون نے مرتب کی اور اس کے اقوال کو بھی جمع کیا۔ سقراط کی بیوی بدمزاج تھی اور سقراط نرم مزاج۔ چنانچہ اس بات نے اسے صبر و برداشت کا پیکر بنا دیا۔ اس کے خیال میں علم حاصل کرنے کی کوئی خاص عمر نہیں ہے۔ وہ کتاب کے مطالعہ کو عیش اور جاہل آدمی کو قابل رحم سمجھتا تھا۔ وہ غیبت کرنے والے کو شریف نہیں سمجھتا۔ وہ عقل و شعور کی پیروی کو ترجیح دیتا تھا۔ وہ عقل کی مخالفت کرنے والوں کو بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ انسان جسے سچ سمجھے، اس پر کاربند بھی ہو اور اس راہ میں مخالفت کی کوئی پروانہ کرے۔

☆☆☆

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درست جواب پر () کا نشان لگائیں۔

(الف) سقراط کہاں پیدا ہوا؟

(i) ایران (ii) فرانس **(iii) ایتھنس**

(ب) سقراط نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے کتنے برس قبل وفات پائی؟

(i) ۴۲۸ (ii) ۴۲۹ **(iii) ۳۹۹**

(ج) سقراط کی بیوی کیسی تھی؟

(i) خوش مزاج (ii) سگھڑا اور گھریلو (iii) بدمزاج

(د) سقراط کے خون ناحق پر ایتھنس کے لوگوں کو کیا محسوس ہوا؟

(i) خوشی (ii) اطمینان وسکون (iii) سخت پشیمانی

(ہ) سقراط کے نزدیک انسان کے علم حاصل کرنے کی عمر کون سی ہے؟

(i) بچپن (ii) جوانی (iii) عمر کا ہر حصہ

(و) سقراط جاہل آدمی کو کیا سمجھتا ہے؟

(i) نادان (ii) واجب الرحم (iii) واجب القتل

(ز) سقراط غیبت کرنے والوں کو کیا نہیں سمجھتا؟

(i) شریف (ii) ظالم (iii) خودمختار

سوال 2: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(الف) سقراط کا باپ پیشے کے اعتبار سے کیا تھا؟

جواب: سقراط کا باپ پیشے کے اعتبار سے بت تراش تھا۔

(ب) سقراط نے ایک لڑائی میں کن دو لائق شخصوں کی جان بچائی؟

جواب: سقراط نے ذنوفن اور ایلسی بایڈیز کے سے لائق شخصوں کی جان بچائی۔

(ج) سقراط نے کن کن چیزوں میں سادگی کو اختیار کیا؟

جواب: سقراط نے کھانے پینے اور لباس میں سادگی کو اختیار کیا۔

(د) سقراط کا فلسفہ وحکمت کی تعلیم دینے کا طریقہ کیا تھا؟

جواب: سقراط فلسفہ وحکمت کی تعلیم کے لئے اپنے شاگردوں کو مختلف باغوں اور دریا کے کنارے پر لے جاتا اور وہاں انہیں فلسفہ وحکمت کے نازک مسئلے سمجھایا کرتا۔

(ہ) ایک شاعر نے سقراط کی ہجو میں کیا لکھا؟

جواب: ایک شاعر نے سقراط کی ہجو میں لکھا کہ وہ ایتھنز کے نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کرتا ہے۔ اور لڑکوں کو اپنے والدین کی نافرمانی سکھاتا ہے۔

Joher Videos
USMAN NOTES

سوال 3: سقراط کے افکار و نظریات پر مختصر نوٹ لکھیں۔

جواب: **سقراط کے افکار و نظریات**

سقراط کے خیال میں موجودہ وقت کو کسی آنے والے دن کی اُمید پر رائگاں کر دینا بڑی غلطی ہے۔ اس کے خیال میں حصول علم کے لئے کوئی خاص عمر نہیں ہے۔ دنیا میں عیش و عشرت اور حصول مسرت کا سب سے بڑا ذریعہ کتابوں کا مطالعہ ہے۔ جاہل آدمی قابل رحم ہے لیکن اس سے بھی زیادہ قابل رحم شخص وہ ہے۔ جس کا آقا بدتہذیب اور تاریک خیال ہو۔ عالی ظرف وہ ہے۔ جو دشمن کے ساتھ بھی عزت کا برتاؤ کرے۔ ہر شخص کو اپنے ضمیر کی پیروی کرنی چاہئے۔ سقراط غیبت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی رائے میں انسان جس بات کو سچ سمجھے اس پر کاربند بھی ہو۔ اور اس راہ میں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کرے۔

سوال 5: درج ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

جواب:

الفاظ و تراکیب	جملوں میں استعمال
اوائل عمری	اوائل عمری میں سقراط کو فوج میں خدمات سرانجام دینا پڑیں۔
فراغت	فراغت ملی تو میں آپ کے ہاں ضرور ملنے آؤں گا۔
خون ناحق	بے گناہ انسانوں کا خون ناحق دہشت گردوں کی گردن پر ہے۔
استقلال	قائداعظم نے عزم و استقلال سے آزادی کی جنگ جیت لی۔
مزاحمت	اکثر علاقوں میں شرپسندوں کی مزاحمت ختم ہو چکی ہے۔

☆☆☆☆

(۴) ''خواجہ حسن نظامی''

حالات زندگی

خواجہ حسن نظامی 1690ء میں دلی میں پیدا ہوئے۔ دہلی کے علمی اور ادبی ماحول نے ان کی تربیت میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ ان کا شمار اردو کے بلند مرتبہ ادیبوں میں ہوتا ہے۔ ان کو حضرت نظام الدین اولیاءؒ سے گہری محبت اور عقیدت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف سے ان کا شغف بہت گہرا تھا۔

اسلوب نگارش

ان کی نثر کی خوبی یہ ہے کہ وہ معمولی اور ادنیٰ درجے کی چیزوں کو جن کو عام زندگی میں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی، وہ ان کے بیان میں ایسے ایسے پہلو اور نکات ڈھونڈ نکالتے ہیں۔ کہ حیرت ہوتی ہے ان کی تحریر میں جہاں طنز و مزاح کی چاشنی پائی جاتی ہے۔ وہاں ہمدردی، اخلاق، اخلاص اور محبت کا پہلو بھی بہت واضح دکھائی دیتا ہے۔ مضامین کے علاوہ ان کی کہانیاں اور افسانے بھی ان کے اس خاص اسلوب کی غمازی کرتے ہیں۔ صوفیانہ افکار کی آمیزش کے باوجود ان کی نثر انتہائی سادہ اور رواں ہے۔ صحافت کے میدان میں بھی آپ کا زور قلم کچھ کم نہ تھا۔ 1918ء میں ''رعیت'' کے عنوان سے ایک روزنامہ بھی جاری کیا۔ اس کے علاوہ کئی رسائل کے ایڈیٹر، نگران اور سرپرست بھی رہے۔

تصانیف

انہوں نے پچاس سے زیادہ کتابیں لکھیں، جن میں سے ''غدر کے افسانے، بیگمات کے آنسو، سفر نامہ ہندوستان، سیپارۂ دل، غالب کا روزنامچہ، کرشن کتھا'' بہت اہم ہیں۔

وفات

خواجہ حسن نظامی کا انتقال 31 جولائی 1955ء کو دلی میں ہوا اور دربار نظام الدین اولیاءؒ کے احاطے میں دفن ہوئے۔

☆☆☆

سبق "مچھر"

(از خواجہ حسن نظامی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بالاتفاق	اتفاق کے ساتھ	آدم زاد	آدمی
یورش	حملہ	بھنگے	کیڑے
اطاعت	فرمانبرداری	ایجی ٹیشن	احتجاج
تہس نہس کرنا	برباد کرنا	ریمارک	تبصرہ
چرکا لگانا	زخم لگانا	بے ڈول	بدوضع
تقدیس	پاکیزگی	چلواتیں سنانا	گالیاں دینا
عارفانہ کلمات	معرفت کی باتیں	ڈیل ڈول	جسامت

خلاصہ

یہ سبق خواجہ حسن نظامی کا لکھا ہوا ہے۔ جس میں انہوں نے ایک انتہائی معمولی سی مخلوق یعنی مچھر کے بارے میں ایسے ایسے پہلو اور نکات بیان کئے ہیں کہ قاری مصنف کے کمال فن پر داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مچھر بظاہر ایک معمولی سی مخلوق سمجھی جاتی ہے۔ لیکن یہ انسانوں کی راتوں کی نیند حرام کر دیتا ہے۔ اسے بھگانے اور مارنے کے لیے طرح طرح کی دوائیں اور مسالے تیار کیے جاتے ہیں، لیکن انسان کی کوئی بھی تدبیر ان کے خلاف کامیاب نہیں ہو پاتی۔ انسان کو اپنی

طاقت اور ذہانت پر بہت ناز ہے، لیکن یہ چھوٹا سا مچھر اسے شکست دے دیتا ہے۔ انسان تو کیا، انسان کے پالتو جانور بھی اس کے کاٹنے سے محفوظ نہیں ہیں۔ اس کے باعث طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ طاعون بھی اسی کے کاٹنے سے پھیلتا ہے اور ملیریا بھی۔ یہی وجہ ہے کہ ہر کوئی مچھر کا جانی دشمن بنا ہوا ہے اور اس کی بربادی کی تدبیریں کرتا رہتا ہے۔

لیکن مچھر کو اپنے خلاف انسانوں کی منصوبہ بندیوں سے کوئی خوف نہیں، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انسان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ انسان اسے کمینہ، بدذات اور کالا بھتنا کہتا ہے۔ انسان کا خیال ہے کہ مچھر بزدل ہے۔ وہ اس وقت انسان پر وار کرتا ہے، جبکہ وہ سویا ہوا ہوتا ہے اور سوئے ہوئے دشمن پر وار کرنا مردانگی نہیں۔ جواب میں مچھر یہ کہتا ہے کہ یہ بات سراسر غلط ہے، وہ تو کان میں آ کر پہلے الٹی میٹم دیتا ہے کہ اٹھو اور مقابلہ کرو، لیکن غافل انسان سویا رہتا ہے۔ انسان بھول بیٹھا ہے کہ نمرود کا غرور بھی اسی نے توڑا تھا۔

ایک شاہ صاحب مچھر کے بڑے قدردان تھے۔ وہ کہتے تھے کہ مچھر رات کو اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتا ہے۔ وہ کاٹتا نہیں، بلکہ بے خبر سوئے ہوؤں کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی بیدار ہوں اور اللہ کی عبادت کریں، لیکن مچھر شاہ صاحب کو وظیفہ پڑھنے کے دوران پاؤں پر کاٹتا ہے۔ وہ اسے شاہ صاحب کی قدم بوسی قرار دیتا ہے لیکن اس بات پر اسے ندامت اور افسوس ہوتا ہے۔

☆☆☆

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: مختصر جواب تحریر کریں۔

(الف) سبق ''مچھر'' خواجہ حسن نظامی کی کس کتاب سے لیا گیا ہے؟

جواب: سبق ''مچھر'' خواجہ حسن نظامی کی کتاب ''سیپارۂ دل'' سے لیا گیا ہے۔

(ب) انسان مچھر کو اپنا دشمن کیوں خیال کرتا ہے؟

جواب: انسان مچھر کو اپنا دشمن خیال کرتا ہے۔ کیونکہ یہ اسکی راتوں کی نیند حرام کر دیتا ہے۔ مچھروں سے انسان کے پالتو جانور بھی محفوظ نہیں۔ حتیٰ کے جانوروں کو بھی کاٹتا ہے۔ اس کے علاوہ انسانوں میں طاعون اور ملیریا جیسی موذی بیماریاں بھی

مچھر پھیلاتا ہے۔

(ج) طاعون اور ملیریا جیسی بیماریاں کون پھیلاتا ہے؟

جواب: طاعون اور ملیریا جیسی بیماریاں مچھر پھیلاتا ہے۔

(د) مچھر کہاں زندگی بسر کرتا ہے؟

جواب: مچھر کوڑے کرکٹ اور گندی نالیوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔

(ہ) مچھر انسان پر کب وار کرتا ہے؟

جواب: مچھر انسان پر سوتے میں وار کرتا ہے۔

(و) مصنف کے خیال میں مچھر کا سب سے بڑا کارنامہ کیا ہے؟

جواب: مصنف کے خیال میں مچھر کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سرکش نمرود کا خاتمہ کیا جو خدائی کا دعویٰ کرتا تھا۔

(ز) مچھر شاہ صاحب کے پاؤں پر کاٹنے کو کیا سمجھتا ہے؟

جواب: مچھر شاہ صاحب کے پاؤں پر کاٹنے کو ان کی قدم بوسی قرار دیتا ہے۔

سوال 2: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

(الف) مچھر بھنبھناتا ہوا نتھا:

(i) پرندہ ہے (ii) کیڑا ہے (iii) جانور ہے

(ب) حضرت میں تو کان میں آ کر:

(i) اذان دیتا ہوں (ii) آواز دیتا ہوں (iii) انٹرویو دیتا ہوں

(ج) آدمی غفلت میں پڑے:

(i) گاتے ہیں (ii) سوتے ہیں (iii) گرتے ہیں

(ر) بزرگوں کے قدم قابل ہوتے ہیں:

(i) چھونے کے (ii) دھونے کے (iii) چومنے کے

☆☆☆☆

AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

(۵) مولانا صلاح الدین احمد

حالات زندگی

مولانا صلاح الدین احمد 25 مارچ 1903ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ لاہور کی علمی اور تہذیبی فضا نے ان کے افکار و خیالات اور شخصیت پر نمایاں اثرات مرتب کیے۔ ان کے والد احمد بخش چیفس کالج لاہور میں فارسی کے استاد تھے اور والدہ شیخ عبدالقادر کی صاحبزادی تھیں۔ مولانا صلاح الدین احمد نے اپنی تعلیم مسلم ہائی اسکول لاہور اور اعلیٰ تعلیم سناتن دھرم کالج لاہور میں پائی۔ ادب کی طرف ان کا فطری میلان تھا انہوں نے طالب علمی کے زمانے ہی میں ایک ادبی رسالہ ''خیالستان'' جاری کیا۔

عملی زندگی

عملی زندگی کا آغاز پولیس کی ملازمت سے کیا، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد جب عدم تعاون کی تحریک کا آغاز ہوا، تو ملازمت کو خیر باد کہہ کر انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریک میں شمولیت اختیار کر لی۔

صحافت سے وابستگی

مولانا صلاح الدین احمد نے آزادی کے خواب کی تکمیل کے لئے صحافت کو اپنایا اور اس میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ بعدازاں علامہ تاجور نجیب آبادی کے جاری کردہ رسالے ''ادبی دنیا'' کی ادارت کا منصب بھی مولانا صلاح الدین احمد کو حاصل ہوا۔ مولانا کے بیشتر مضامین بھی اسی رسالے میں شائع ہوئے۔

مجموعہ مضامین

مولانا صلاح الدین احمد کا مجموعہ مضامین ''صریر خامہ'' تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ جلد اول میں اقبال اور فکر اقبال سے متعلق مضامین ہیں۔ جلد دوم میں اردو کے افسانوی

ادب پر اعلیٰ پائے کے مضامین شامل ہیں، جبکہ جلد سوم میں محمد حسین آزاد کے فکر وفن پر مضامین شامل ہیں۔

اسلوب نگارش

مولانا کی تحریر میں ہمیں محمد حسین آزاد، مہدی افادی، یلدرم اور ابوالکلام آزاد کے اسلوب کی سی رنگینی، شگفتگی اور دلآویزی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی تحریر میں حقیقت، خواب، خیال اور جذبہ ہم آہنگ دکھائی دیتے ہیں۔

وفات

مولانا صلاح الدین احمد نے 14 جون 1964ء کو وفات پائی اور لاہور میں مدفون ہوئے۔

☆☆☆

سبق "وطن اور ملت"

(از مولانا صلاح الدین احمد)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
سرشار	نشے میں چور	نصب العین	اصل مقصد
فکروشعور	سوچ بچار۔ غوروفکر	آفرینش	پیدائش۔ آغاز
محور	مرکز	سفینہ	کشتی یا بحری جہاز
وطنیت	وطن پرستی	قطعیت	حتمیت
ربع	چوتھائی	الہامات	الہام کی جمع
اقطاع	قطع کی جمع	عیاں	ظاہر
رفعتیں	بلندیاں	متصرف ہونا	استعمال میں لانا
رجعت	واپسی	بے کراں	بے کنار
حاجت	ضرورت	فوز عظیم	عظیم کامیابی

اعمال حسنہ	اچھے اعمال		میرے منہ میں خاک یہی خدا نہ کرے
آفت	مصیبت	خاکم بدہن	
معما	پیچیدہ بات۔ پہیلی	وطن پروری	وطن کو ترقی دینا
ناپیدا کناریاں	بے حد وحساب	متصرف ہونا	فائدہ اٹھانا۔ کام میں لانا
تاسیس	بنیاد	آفاق گیر	عالمگیر۔ پوری دنیا کا
بحر بے پایاں	ایسا سمندر جس کا کوئی کنارا نہ ہو۔	علائے کلمتہ اللہ	اللہ کا پیغام پھیلانا
سر بکف ہونا	ہتھیلی پر رکھنا۔ مرنے کیلئے تیار	بہرہ مند ہونا	فائدہ اٹھانا
ہم آہنگ ہونا	یکجا ہونا۔ ساتھ ملنا	مرغزار	سبزہ زار
یارائے انحراف	الگ ہونے کا حوصلہ	برلانا	پورا کرنا

خلاصہ

اس مضمون میں مولانا صلاح الدین احمد نے اقبال کے وحدت ملت کے تصور سے لے کر تصور وطن تک اور پھر اس حوالے سے مثالی ریاست پاکستان کے قیام تک اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے۔ اسلامیان ہند ہمیشہ سے وحدت ملت کے قائل تھے۔ وطن پرستی کا جذبہ تقریباً ختم ہو چکا تھا، لیکن علامہ اقبال نے جب جذبات کی بجائے فکر کو راہنما بنایا، تو انہوں نے لازم جانا کہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کے لئے ایک الگ وطن کا قیام ضروری ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اسلام کے اصولوں پر عملدرآمد کے لئے کسی خطہ زمین کا انتخاب ضروری ہے۔ اقبال کا خیال درست تھا کہ جب تک مسلمان کسی ریاست میں رہتے ہوئے اسلامی اصولوں پر معاشرہ قائم کرنے کے اہل نہ بن جائیں گے، وہ ملت کے وسیع تصور کو بھی نہ سمجھ پائیں گے۔ پاکستان دراصل ملت کے اجتماعی مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ تعمیر ملت کی ذمہ داری سے عہد برآ ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وطن کو مضبوط اور توانا بنایا جائے۔ غیر مسلم پاکستانی بھی پاکستانی ہیں۔ ان کے ساتھ نا صرف اچھے تعلقات ناگزیر ہیں، بلکہ ایک مشترکہ نصب العین بھی ضروری ہے۔ یہی وطن دستی کا تقاضا ہے۔ ہماری وطن پرستی ایسے اصولوں پر مبنی ہو کہ جن کے باعث ہماری ملی ذمہ داریاں مجروح نہ ہونے پائیں اور ان اصولوں میں سب سے بڑا حصول اتحاد عالم اسلام ہے۔

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب لکھیں۔

(الف) وطنیت اور ملت میں کیا فرق ہے؟

جواب: وطنیت سے مراد یہ تصور ہے کہ ایک وطن یا ملک میں رہنے والے تمام انسان ایک ہی قوم ہیں۔ خواہ ان کا مذہب کچھ بھی ہو؟ دوسری طرف قومیت سے مراد ایک قوم ہونے کا تصور خواہ ان کا وطن کوئی سا بھی ہو جیسے کہ مسلمان قوم۔ ساری دنیا کی مسلمانوں کی قومیت ایک ہے۔

(ب) مفکر اسلام نے مسلمانان ہند کو کس بات کی دعوت دی؟

جواب: مفکر اسلام نے مسلمانان ہند کو شمال مغربی ہندوستان میں ایک اسلامی وطن کے قیام کی دعوت دی۔

(ج) ٹیپو سلطان، عبدالحمید ثانی اور جمال الدین افغانی کا خواب کیا تھا؟

جواب: ٹیپو سلطان، عبدالحمید ثانی اور جمال الدین افغانی سب کا خواب یہ تھا کہ مسلمانان برصغیر ہندوستان میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کریں۔

(د) پاکستان کے حصول کا مقصد ملی مفاد ہے، کیوں؟

جواب: پاکستان کے حصول کا مقصد ملی مفاد ہے کیونکہ اس کے حصول سے ہمیں خدمت دین اور تعمیر ملت کے مواقع بھی ملیں گے۔ ہم اعلائے کلمۃ اللہ بھی کر سکیں گے اور حقوق انسانیت بھی ادا کر پائیں گے۔

(و) پاکستان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مشترکہ نصب العین کیوں ضروری ہے؟

جواب: پاکستان میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان مشترکہ نصب العین ضروری ہے۔ تاکہ ان کے درمیان ایک بنیادی ہم آہنگی اور ہم مقصدی پیدا ہو سکے۔ یہی مشترکہ نصب العین مملکت کی سلامتی کا ذریعہ ہوگا۔ اور اسی کی وجہ سے ملک کی اکثریت اور اقلیت ایک ساتھ آگے بڑھیں گی اور ملک کی فلاح و بہبود میں برابر کا حصہ لیں گی۔

(و) اتحاد عالم اسلام پر مختصر، مگر جامع نوٹ تحریر کریں۔

جواب: دنیا کے سارے مسلمان امت واحدہ ہیں۔ ان کی شیرازہ بندی کلمہ طیبہ لا الہ الا

اللہ محمد الرسول اللہ کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ توحید مسلمانوں کے اتحاد کی بنیاد ہے۔ ان کا خدا ایک ہے۔ رسول ایک ہے۔ قرآن ایک ہے۔ اور قبلہ بھی ایک ہے۔ مسلمان دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں میں رہتے ہیں۔ لیکن ان کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ اسلام کے آفاقی بندھن نے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ کر رکھا ہے۔ اسی لئے دنیا کے ایک حصے کے مسلمانوں پر کوئی ابتلا آتی ہے۔ تو انڈونیشیا سے لیکر مراکش تک پوری امت مسلمہ بے چین ہو جاتی ہے۔

ہمارے دشمن یہود و نہود ہمیشہ مسلمانوں کے اتحاد سے خائف رہے ہیں۔ اسی لئے اتحاد عالم اسلام کو پارہ پارہ کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ ان کے درمیان نفرت و انتشار کے بیج بوئے جاتے ہیں۔ وطن، زبان اور مسلک کے نام پر فساد پیدا کرنے کی کارانہ چالیں چلی جاتی ہیں۔ کئی بار دشمن اپنے گھناؤنے منصوبوں میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ملت کو ابتلا کے بھیانک ادوار سے گزرنا پڑتا ہے۔ لیکن عالم اسلام کے اتحاد کی بنیادیں اتنی مضبوط ہیں کہ یہ امت ابتلا و آزمائش کے دور بحرانوں سے سرخرو ہو کر نکل آتی ہے اور پھر سوئے منزل جادہ پیما ہو جاتی ہے۔ علامہ محمد اقبال نے عالم اسلام کو اتحاد کا درس نہایت پر زور انداز میں دیا ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

سوال 2: خالی جگہ پُر کریں۔

(الف) زمین آخر ..... ہے۔ (زمین)

(ب) ملک کا زوال ملت کا ..... بن جائے گا۔ (زوال)

(ج) قیام پاکستان کے بعد ہمارا محاذ ..... بدل چکا ہے۔ (یکسر)

(د) ہم شاعر اسلام کی اس آرزو کو بر لانے کیلئے ہمیشہ ..... رہیں گے۔ (سربکف)

سوال 3: اعراب لگائیں۔

جواب: صِحَّتْ . رُبْع . اَقْطَاْع . اِنْحِرَاْف . بَحْرِاِمْکَانْ

سوال 4: درج ذیل تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

الفاظ و تراکیب	جملوں میں استعمال
اسلامیان ہند	اسلامیان ہند ہمیشہ سے وحدت ملت کے قائل تھے۔
مفکر اسلام	مفکر اسلام علامہ محمد اقبال نے برصغیر میں ایک الگ اسلامی ریاست کا تصور دیا۔
مقاصد ملت	ہر فرد پر لازم ہے کہ مقاصد ملت کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔
فوز عظیم	آخرت میں فوز عظیم کا حصول مومن کی اصل منزل مقصود ہے۔
تعمیر ملت	ہمارے آج کے نوجوان تعمیر ملت کے جذبے سے سرشار ہیں۔

AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلئے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں

YouTube Joher Videos

بالکل فری!

AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلئے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں

www.joheraiou.com

(۶) "ڈاکٹر وزیر آغا"

حالات زندگی

وزیر آغا وزیر کوٹ (سرگودھا) میں 18 مئی 1922ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد ایران سے افغانستان آئے اور پھر بدھانوی دور حکومت میں وہاں سے لاہور اور پھر سرگودھا منتقل ہو گئے۔ وزیر آغا نے 1943ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم۔ اے اکنامکس (معاشیات) کیا۔ 1956ء میں اردو ادب میں طنز و مزاح کے موضوع پر مقالہ لکھنے پر پنجاب یونیورسٹی نے ان کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

ڈاکٹر وزیر آغا عصر حاضر میں اردو زبان و ادب کا نہایت اہم نام ہے۔ شاعری کا میدان ہو یا تنقید کا، تحقیق کا ہو یا انشائیہ نگاری کا، ڈاکٹر وزیر آغا ایک صاحب اسلوب لکھاری کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا منفرد اور جدا طرز تحقیق و تنقید ان کو عصر محققین اور نقادوں میں ممتاز اور نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔

ادبی خدمات

وزیر آغا کی ادبی شہرت اور خدمت کا آغاز "ادبی دنیا" کے مدیر کی حیثیت سے ہوا، جہاں انہوں نے مولانا صلاح الدین صاحب کے ساتھ ادب کی آبیاری کے لئے بہت کام کیا۔ مولانا صلاح الدین احمد کی وفات کے بعد وزیر آغا نے 1965ء میں اپنا ادبی رسالہ "اوراق" جاری کیا۔ جس نے اردو میں تنقیدی اور انشائیہ ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

تصانیف

ان کی گراں قدر تصانیف میں "اردو شاعری کا مزاج"، "نظم جدید کی کروٹیں"، "تنقید اور احتساب"، "نئے تناظر"، "شام کی منڈیر سے" وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ انہوں نے عمدہ شعر کہے اور اچھی شاعری کی۔ ان کی شاعری کے مجموعوں میں "آدھی صدی کے بعد، شام اور سائے، نردبان اور دن کا زرد پہاڑ" شامل ہیں۔

سبق "ہنسی، مزاح اور انسانی زندگی"

(از ڈاکٹر وزیر آغا)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
برقی رو	بجلی کی رو	سرایت کرنا	جذب کرنا
دشت وجبل	جنگل اور پہاڑ	بحروبر	خشکی وتری
منہمک	کھویا ہوا، مصروف	پیش قدمی	آگے بڑھنا
تبسم	مسکراہٹ	طفلانہ	بچوں جیسی
کاوشوں	کوششوں	سپاٹ	سیدھا، ہموار، بے رنگ
پنہاں	پوشیدہ۔ چھپا ہوا	انبساط	خوشی، مسرت
مدغم ہونا	مل جانا	ضرر	نقصان دہ
افادی	فائدہ مند	ذی روح	زندہ
فقدان	کمی	مماثلت	مشابہت
صدائے بازگشت	واپس لوٹ آنے والے آواز	غمازی کرنا	اشارہ کرنا۔ خبر دینا
استیصال	ختم کرنا۔ جڑ سے اکھاڑ پھینکنا	جدت	گرمی
نہج	طور۔ طریقہ۔ راستہ	مرتسم کرنا	نشان لگانا

خلاصہ

یہ مضمون ڈاکٹر وزیر آغا نے لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے ہنسی اور مزاح کے انسانی زندگی پر پڑنے والے اثرات سے بحث کی ہے۔ اور زندگی کے اس خوب صورت پہلو کو لازم حیات قرار دیا ہے اور یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ہنسی اور مزاح کا پہلو انسانی زندگی کو حیوانی حیات سے ممتاز کرتا ہے۔ ان کے خیال میں کائنات اور اس کے تمام مظاہر میں ہر طرف ایک گہری سنجیدگی چھائی ہوئی ہے۔ پس اس سنجیدہ کائنات میں رہتے ہوئے انسان نے بھی اپنے

لیے جس زندگی کو اختیار کیا ہے وہ بھی اپنے کام کاج اور شب و روز کی مصروفیات کے حوالے سے سنجیدگی لئے ہوئے ہے۔ لیکن انسان احساس مزاح کے باعث زندگی کی تلخیوں اور مادیت پسند صورت حال کو لچکیلا اور ملائم بنالیتا ہے۔ انسان چونکہ خواب پرست واقع ہوا ہے، اس لئے اگر اس کے سارے خواب بے تعبیر رہ جائیں، تو زندگی وبال بن کر رہ جائے۔ چنانچہ ہنسی اور مزاح دو ایسی چیزیں ہیں کہ جن کے باعث محرومیوں کے باوجود زندگی رہنے اور بسنے کے قابل بنی رہتی ہے۔ زندگی کے ناقابل برداشت صدموں کو قابل برداشت بنانے میں ہنسی اور مزاح کلیدی کردار ادا کرتے ہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ انسان ہنستا لوگوں میں اور روتا تنہائی میں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہنسی کے ذریعے زندگی کے کھردرے لمحوں کو قابل برداشت بنالیتا ہے۔ مزاح کی بے شمار شکلیں اور قسمیں ہیں مثلاً ایک وحشی انسان کے لئے دور جدید کا انسان اور دور جدید کے کسی انسان کے لئے ایک وحشی کا رنگ و روپ اور طرز تمدن مزاح کا باعث بن جاتا ہے۔ بسا اوقات اجنبی بھی ایک دوسرے کی وضع قطع دیکھ کر خوب دل کھول کر قہقہے لگانے لگتے ہیں۔ انسان جیسے جیسے ترقی کرتا چلا جارہا ہے، ویسے ویسے اس کے اخلاقی، سیاسی اور سماجی تصورات بھی وسیع ہورہے ہیں۔ اب ہماری ہنسی بھی گروہی نہیں، بلکہ انفرادی ہے۔ فرد کے قہقہے میں گہرائی اور انفرادیت کے ساتھ ساتھ پرسکون دریا کی دھیمی لے بھی سنائی دیتی ہے۔

☆☆☆

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کریں۔

(الف) مصنف کے خیال میں کائنات کی ازلی وابدی خصوصیت کیا ہے؟

جواب: مصنف کے خیال میں سنجیدگی کائنات کی ازلی وابدی خصوصیت ہے۔

(ب) ”نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں“ نا نے اپنے مضمون میں یہ مصرع کیوں تحریر کیا؟

جواب: زندگی ایک تیز رفتار اور بے قابو گھوڑے کی مانند کوہ و دریا اور بحر و بر کو پھلانگتی چلی جارہی ہے۔ اور انسان کی کیفیت اس گھڑ سوار کی سی ہے۔ جو اب گرا کہ اب گرا۔ کیونکہ زندگی کے اس بے قابو گھوڑے کی نہ لگام انسان کے ہاتھ میں ہے اور نہ

پاؤں رکاب میں ہیں۔ کہ ذرا سنبھل سکے۔ پس ڈاکٹر وزیر آغا نے تیز رفتار طوفانی زندگی اور انسان کے تعلق کو واضح کرنے کیلئے مرزا غالب کا یہ مصرع اپنے مضمون میں تحریر کیا ہے۔

(ج) ماں کے تبسم کا بچے پر کیا اثر ہوتا ہے؟

جواب: ماں کا تبسم بچے کو اس کی طفلانہ کاوشوں میں مزید انہماک کی ترغیب دیتا ہے۔

(د) حقائق کی خوفناکی سے کیونکر بچا جا سکتا ہے؟

جواب: احساس مزاح سے کام لے کر حقائق کی خوفناکی سے بچا جا سکتا ہے۔

(ہ) مصنف کے خیال میں ہنسی انسانوں کو باہم مربوط بنا دیتی ہے۔ اس بات کی وضاحت کریں؟

جواب: مصنف کے خیال میں احساس مزاح کے طفیل، انسانوں کے درمیان ایک ناقابل شکست رشتہ معرض وجود میں آجاتا ہے۔ ہنسی ایک متعدی بیماری کی طرح پھیلتی ہے۔ اور جہاں چند لوگ ہنس رہے ہوں وہاں راہ گیر بے اختیار ان کی ہنسی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ہنسی انسانوں کو باہم مربوط بنا دیتی ہے۔

(و) دو اجنبی دیسوں کے باشندے ایک دوسرے کی وضع قطع دیکھ کر کیوں ہنسنے اور قہقہے لگانے لگتے ہیں؟

جواب: دو اجنبی دیسوں کے باشندے ایک دوسرے کی وضع قطع دیکھ کر ہنسنے اور قہقہے لگانے لگتے ہیں کیونکہ یہ وضع قطع ان کے اپنے ماحول سے مختلف ہوتی ہے۔

سوال 2: خالی جگہ درست الفاظ سے پُر کریں۔

(الف) ..... نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے ..... میں۔ (رکاب)

(ب) ماں کا تبسم بچوں کو مزید ..... کی ترغیب دیتا ہے۔ (انہماک)

(ج) بیٹھا اکیلے ہی ..... ہوگا۔ (رونا)

(د) کائنات پر ..... مسلط ہے۔ (سنجیدگی)

(ہ) انسانی مزاح کے نشوونما میں ایک ..... انداز کا فرما ہے۔ (تدریجی)

☆☆☆☆☆

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

باب 3

افسانہ

(۱) سعادت حسن منٹو

حالات زندگی

سعادت حسن منٹو کا شمار اردو کے عظیم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ منٹو 11 مئی 1912ء میں لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام غلام حسن تھا۔ میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی اسکول امرتسر سے 1931ء میں پاس کیا۔ بعد میں ایف اے او کالج امرتسر میں داخل ہوئے، لیکن ایف اے نہ کر سکے۔ 1938ء میں صفیہ بیگم سے شادی ہوئی۔ اس زمانے میں کئی فلموں کی کہانیاں بھی لکھیں۔

ادبی خدمات

منٹو کا پہلا افسانوی مجموعہ آتش پارے 1936ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ افسانہ نگاری کے ساتھ ساتھ مختلف اخبارات اور رسائل سے بھی وابستہ رہے۔ ''مصور''، ''امرتسر، ہمایوں، لاہور، عالمگیر، لاہور، کارواں، بمبئی اور احسان لاہور'' جیسے رسائل میں بحیثیت مدیر خدمات انجام دیتے رہے۔

تصانیف

آتش پارے کے علاوہ منٹو کے افسانوی مجموعے ''منٹو کے افسانے، دھواں، لذت سنگ، ٹھنڈا گوشت، یزید اور پھندے'' وغیرہ بہت اہم ہیں۔ انہوں نے خاکہ نگاری بھی کی۔ گنجے فرشتے اور نور جہاں سرور جہاں خاکہ نگاری کے عمدہ نمونے ہیں۔

وفات

ان کا انتقال 18 جنوری 1955ء میں ہوا۔

اسلوب نگارش

منٹو کے افسانوں میں حقیقت نگاری اپنی پوری بے رحمی اور سچائی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ منٹو جیسی بے باکی اور جرأت بہت کم اردو کے افسانہ نگاروں کو نصیب ہوئی ہے۔ وہ جہاں معاشرتی برائیوں سے پردہ ہٹاتے ہیں، وہاں وہ اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ قاری اپنے گردوپیش سے غافل نہ ہونے پائے اور اصلاح احوال پر راغب ہو۔ تحریر وتقریر کی آزادی کے وہ اتنے زبردست داعی تھے کہ ان کے کئی افسانوں پر اُن کے خلاف مقدمات بھی چلے۔ منٹو سیدھی سادی کہانیاں پیش کرتے ہیں، لیکن اُن کا اسلوب اپنی سادگی کے باوجود معانی کی کئی پرتیں بھی رکھتا ہے۔ ان کے بیشتر افسانوں میں محروم طبقات کی نمائندگی دکھائی دیتی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ذلتوں کے مارے لوگ اپنے مسائل سے آگاہی حال کریں اور اپنے آپ میں زندگی کی حقیقتوں کا سامنا کرنے کی اہمیت پیدا کریں۔

☆☆☆

''طاقت کا امتحان''

(از سعادت حسن منٹو)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پاش پاش کرنا	ٹکڑے ٹکڑے کرنا	باور آنا	یقین کرنا
چوب فروش	لکڑی فروخت کرنے والا	اچنبا	حیرانی۔ تعجب
بے اعتنائی	بے توجہی	تغیر	تبدیلی
کثیف	بوجھل	دفعتاً	اچانک
سگرٹ کی خاکدان	ایش ٹرے	آب وگل	پانی اور مٹی
نانبائی	روٹی بیچنے والا نان فروش	حریف	دشمن۔ مخالف

گریسنہ	بھوکا	سامان خورد و نوش	کھانے پینے کا سامان
عود کرنا	واپس آنا	خمیدہ کمر	جھکی ہوئی کمر
منقطع کر لیا	ختم کر دیا		

مرکزی خیال

سعادت حسن منٹو نے اپنے اس افسانے میں ایک فاقہ کش مزدور کی قابل رحم حالت کو موضوع بنایا ہے۔ ہمارا سماج دو واضح طبقات میں بٹا ہوا ہے۔ ایک طرف خوشحال طبقہ ہے جس کے ہاں دولت کی ریل پیل ہے۔ اور بے فکری ہے۔ دوسری طرف فاقہ کش غریبوں اور مزدوروں کا انبوہ کثیر ہے۔ جو نان جویں کو ترس رہے ہیں۔ ہمیں اپنے اردگرد اکثر دولت مندی، غربت اور فاقہ کشی کا مذاق اڑاتی اور اپنی تفریح طبع کے سامان بناتی نظر آتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دولت و ثروت نے انسانوں کو کتنا بے رحم اور بے حس بنا دیا ہے۔

☆☆☆

خلاصہ

''طاقت کا امتحان'' سعادت حسن منٹو کا لکھا ہوا افسانہ ہے۔ جس میں انہوں نے کھاتے پیتے گھرانوں کے دو بے فکرے نوجوانوں کی بے حسی کا ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک کا خیال ہے۔ کہ ایک فاقہ کش مزدور کئی من وزنی بوجھ بڑے آرام سے اٹھا کر پرے پھینک سکتا ہے۔ جبکہ دوسرے کا خیال ہے کہ مفلسی کے ٹکڑوں پر پلنے والے مزدور میں اس قدر طاقت نہیں ہو سکتی۔ تاش کی بازی لگاتے اور سگریٹ کا دھواں اڑاتے دونوں دوستوں میں اسی بات پر شرط لگ گئی۔ طے یہ پایا کہ باہر بازار میں پانچ چھ من وزنی لوہے کا جو گارڈر پڑا ہے کسی مزدور سے اسے اٹھوا کر دیکھا جائے۔ اسی اثناء میں دن بھر کے ایک بھوکے مزدور کا گزر بازار میں نانبائی کی دوکان کے قریب سے ہوا تو سالن کی دیگچیوں اور تنور سے نکلی ہوئی تازہ روٹیوں پر نظر پڑتے ہی اس کی بھوک اور چمک اٹھی۔ لیکن اس کی جیب خالی تھی کیونکہ دن بھر اسے کوئی مزدوری نہیں ملی تھی۔ اسی اثنا میں دونوں نوجوانوں نے اسے اپنے پاس بلایا۔ اور

لوہے کا ایک بھاری گارڈر اٹھا کر گلی کی نکڑ تک لے جانے کیلئے اسے دو آنے کی مزدوری پر آمادہ کرلیا۔ بوجھ اگرچہ اس کی طاقت سے کہیں زیادہ تھا۔ لیکن روٹی ملنے کی امید نے عارضی طور پر اسکی طاقت میں اضافہ کردیا۔ اس نے ایک رسی کو مضبوطی کے ساتھ گارڈر کے گرد باندھا، دو تین جھٹکوں کے بعد اسے اٹھا کر کمر پر لاد لیا اور آہستہ آہستہ نکڑ کی طرف چلنا شروع کردیا۔

مزدور کی اس حیرت انگیز طاقت کو دیکھ کر دوسرا دوست بھی متاثر ہوا۔ پھر اچانک ایک المناک حادثہ ہوگیا۔ مزدور کا پاؤں کیچڑ میں ایسا پھسلا کہ وہ سنبھل نہ سکا اور گارڈر کے بوجھ تلے دب کر مر گیا۔ دونوں دوستوں نے وہاں سے کھسک جانے میں عافیت سمجھی کہ خواہ مخواہ حادثے کا گواہ بننا پڑے گا۔ سامنے کی دوکان میں ایک سیٹھ ٹیلی فون پر گندم کے بھاؤ طے کر رہا تھا۔ اس نے مزدور کو موت کا شکار ہوتے دیکھا۔ تو بڑبڑایا "کم بخت کو مرنا بھی تھا تو میری دکان کے سامنے"

☆☆☆

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(i) دونوں دوستوں کی مزدور کی طاقت کے حوالے سے کیا رائے تھی؟

جواب: ایک دوست کا خیال تھا کہ کوئی بھی طاقتور مزدور کئی من وزنی بوجھ تنکے کی طرح اٹھا کر پرے پھینک سکتا ہے جبکہ دوسرے دوست کا خیال تھا کہ غلیظ ٹکڑوں پر پلنے والے مزدور میں اس قدر طاقت ہو ہی نہیں سکتی۔

(ii) دونوں دوستوں میں کس بات پر شرط لگی؟

جواب: دونوں دوستوں میں فیصلہ یہ قرار پایا کہ باہر بازار میں جو پانچ چھ من وزنی لوہے کا گارڈر پڑا ہے۔ کسی مزدور سے اسے اٹھوانے کی شرط لگائی جائے۔

(iii) مزدور نانبائی کی دوکان کو دیکھ کر کیا سوچنے لگا؟

جواب: نانبائی کی دوکان کو دیکھ کر مزدور کی بھوک اور بھی چمک اٹھی۔ اس کی جیب خالی تھی وہ سوچنے لگا کہ کاش کوئی "مزدور" کہہ کر اسے صدا دے۔

(iv) مزدور نے کتنی مزدوری پر گارڈر اٹھانے کی حامی بھری؟

جواب: مزدور نے دوآنے مزدوری پر گارڈر اٹھانے کی حامی بھر لی۔

(v) مزدور کی موت کیوں کر واقع ہوئی؟

جواب: مزدور روزنی گارڈر اٹھائے کیچڑ میں پھونک پھونک کر قدم رکھ رہا تھا۔ اچانک اس کا پاؤں کیلے کے چھلکے پر سے پھسلا اور وہ گارڈر کے بوجھ تلے دب کر مر گیا۔

(vi) دونوں دوست لاش چھوڑ کر گھروں کی طرف کیوں روانہ ہو گئے؟

جواب: دونوں دوست لاش چھوڑ کر اس لئے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے کہ خواہ مخواہ حادثے کا گواہ بننا پڑے گا۔

(vii) بڑی توند والے دکاندار نے اس حادثے کو کیا خیال کیا؟

جواب: بڑی توند والے دکاندار نے اس حادثے کو منحوس خیال کیا۔

سوال 2: افسانہ ''طاقت کا امتحان'' ہمارے کس سماجی برائی کی نشاندہی کرتا ہے؟

جواب: افسانہ ''طاقت کا امتحان'' میں ہمارے معاشرے میں موجود امارت اور غربت کے درمیان وسیع خلیج کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ایک طرف دولت کی ریل پیل ہے تو دوسری طرف نان جویں کو ترستے ہوئے انسانوں کا انبوہ کثیر ہے۔ مزید ستم یہ کہ بے رحم دولت مند غریب کی بے بسی کو چند ٹکوں کے عوض خرید سکتے ہیں۔ اور بھوک کے مارے انسانوں کو موت کے منہ میں دھکیل سکتے ہیں۔

سوال 3: خالی جگہ پُر کریں۔

(i) طاقت کے لئے اچھی ..... کا ہونا لازم ہے۔ (غذا)

(ii) یہاں کے مزدور بھی ..... سے کیا کم ہیں۔ (گدھوں)

(iii) کمرے کی فضا ..... آہیں بھرنے لگ گئی۔ (خاموش)

(iv) بازار بارش کی وجہ سے ..... میں لت پت تھا۔ (کیچڑ)

(v) اُس نے بھوک سے تنگ آ کر ..... مانگنے کا خیال کیا۔ (بھیک)

سوال 4: درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں۔

اچنبا۔ مجسمہ۔ تعجب۔ وحشت۔ ناک۔ آب و گل

جواب: اَچَنبَا۔ مُجَسَّمَہ۔ تَعَجُّب۔ آبُ و گِل

☆☆☆☆

Joher Videos

(۲) غلام عباس

حالات زندگی

غلام عباس 17 نومبر 1909ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میاں عبدالعزیز تھا۔ ابتدائی تعلیم و تربیت لاہور میں ہوئی۔ 1942ء میں میٹرک اور 1944ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔

ادبی خدمات

1922ء میں پہلا افسانہ ''بکری'' ترجمہ کیا اور 1925 میں ٹالسٹائی کی تصنیف کا ترجمہ ''جلاوطن'' کے عنوان سے کیا، جو رسالہ ہزار داستان، لاہور میں چھپا۔ امتیاز علی تاج کی نگرانی میں جاری ہونے والے رسالے تہذیب نسواں اور بچوں کے معروف رسالے، پھول کے نائب مدیر بھی رہے۔ 1938ء میں جب انہوں نے آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کی، تو ریڈیو کے رسالے ''آواز'' کے مدیر بنائے گئے۔ قیام پاکستان کے بعد ریڈیو پاکستان کے رسالہ ''آہنگ'' نے ان کی ادارت میں خاصی مقبولیت حاصل کی۔ 1949ء میں پروگرام پروڈیوسر کی حیثیت سے بی بی سی لندن سے منسلک ہوگئے۔ 1952ء میں جب پاکستان آئے، تو ایک مرتبہ پھر ''آہنگ'' کے لئے خدمات انجام دینے لگے۔ 1960ء میں جاڑے کی چاندنی، پر آدم جی ادبی انعام حاصل کیا۔ 1967ء میں حکومت پاکستان کی طرف سے ستارہ امتیاز ملا۔ 1967ء میں صدر پاکستان ایوب خان کی خودنوشت، فرینڈز ناٹ ماسٹرز، کا اردو میں ترجمہ ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی'' کے عنوان سے کیا۔ بچوں کے لئے بھی ادب تخلیق کیا۔ اُن کا ایک ناول ''گوندنی والا تکیہ'' 1984ء میں منظر عام پر آیا۔

تصانیف

''آنندی، جاڑے کی چاندنی اور کن رس'' اُن کے معروف افسانوی مجموعے ہیں۔

افسانہ نگاری کے فن پر جو گرفت اور کمال انہیں حاصل ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ان کی ہر کہانی زندگی کے کسی نہ کسی تضاد سے جنم لیتی ہے۔ انسانی زندگی کے ظاہری اور باطنی تضادات کو وہ ایک معمے کے طور پر نہیں دیکھتے، بلکہ ایک سادہ حقیقت کے روپ میں پیش کر دینے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ اُن کا اسلوب سادہ بیانیہ ہے۔ اس اسلوب میں وہ عام آدمی کی زندگی کو بڑے قرینے سے سمو دینے کا ہُنر جانتے ہیں۔ اُن کے اکثر کردار بڑی خاموشی سے اپنی زندگی میں مگن دکھائی دیتے ہیں، اپنے حال میں مست اور راضی بہ رضا۔

وفات

غلام عباس نے یکم نومبر 1982ء میں وفات پائی۔

☆☆☆

سبق "پری چہرہ لوگ"

(از غلام عباس)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ڈیل ڈول	قد و قامت۔ جسم	گھمبیر آواز	بھاری آواز
سن بلوغت	جوانی کی عمر	فربہی	موٹاپا
مہترانی	مہتر کی مونث۔ بھنگن	مہین آواز	باریک آواز
اکتفا کرنا	کافی سمجھنا	لجاجت	منت سماجت۔ خوشامد
متغیر ہونا	تبدیل ہونا	کرسٹان	کرسچین کی بگڑی ہوئی شکل عیسائی
پسیج جانا	ترس کھانا۔ رحم آنا	آنچل	دوپٹے کا سرا۔ اوڑھنی کا پلو

مرکزی خیال

غلام عباس کے اس افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ اپنے پندار میں پری چہرہ کچھ بڑی بیگمات جو بڑے بڑے بنگلوں میں رہتی ہیں، نہایت ہی معمولی طبقے کی نظروں میں ان کی اصل

اوقات کیا ہے۔ معمولی مہترانیوں کی نظروں میں ان سیٹھوں اور نوابوں کی بیگمات میں سے کوئی کالی میم ہے۔ تو کوئی تپ دق والی، کوئی کھلونے والی ہے تو کوئی ڈھڈو۔ انسان اپنے آپ میں چاہے جتنا بھی بڑا بن لے، معاشرے کے دیگر افراد اس کو خود اپنی اپنی نظروں سے دیکھتے اور جانچتے ہیں اور اسی کے مطابق اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔

☆☆☆

خلاصہ

سیٹھ تراب علی کا شہر کے نواح میں ایک بہت بڑا بنگلہ تھا۔ بیگم تراب مراد نہ ڈیل ڈول کی حامل خاتون تھی۔ رنگ سانولا تھا، جو نوکروں کو ڈانٹتے وقت سیاہ ہو جاتا تھا۔ اولاد تو کیا خود سیٹھ صاحب بھی بیگم کے رعب اور دبدے سے دبے دبے رہتے تھے۔ وہ خاندان میں ملکہ کی طرح حکمرانی کرتی تھی۔ ایک روز بیگم تراب علاقے کی مہترانی سگو اور اُس کی بیٹی جگو کی گفتگو دیوار کی اوٹ سے سن رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹی مختلف گھروں کی بیگمات کے نام لینے کی بجائے اپنے رکھے ہوئے ناموں سے پکار رہی تھیں۔ کسی کا نام طوطے والی بیگم، کسی کا تپ دق والی، تو کسی کا کھلونے والی رکھا ہوا تھا۔ ان سب کے گھروں میں جگو کام کرتی تھی، لیکن جب وہ کسی بیگم کو کالی میم کہہ کر پکارتی ہیں، تو بیگم تراب کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں کہ جیسے یہ نام اُسی کے لئے رکھا گیا ہو۔ وہ سگو کو بلاتی ہے اور وصف ناموں کی حامل شخصیات کے اصل نام باری باری دریافت کرتی ہے۔ وہ کالی میم کے بارے میں بتاتا ہے کہ یہ کرسٹان مسز ڈی فلوری کا نام نشانی کے طور پر رکھا گیا ہے۔ جب بیگم اپنے نام کے خطاب سے متعلق دریافت کرتی ہے تو وہ صاف مکر جاتی ہے اور کہتی ہے کہ ہم نے آپ کا کوئی نام نہیں رکھا۔ اور آپ کو بیگم صاحب کہہ کر پکارتے ہیں۔ بیگم کا غصہ اور اُلجھن دونوں دور ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ بیگم صاحب کو اس بات کا علم ہی نہ تھا کہ دونوں ماں بیٹی نے اُس کا نام ''ڈھڈو'' رکھا ہوا تھا اور سگو اور جگو کے علاوہ سگو کا خاوند بھی اسے ''ڈھڈو'' ہی کہہ کر پکارتا تھا۔

☆☆☆

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(i) بیگم تراب علی کا ڈیل ڈول کیسا تھا؟

جواب: بیگم تراب علی کا ڈیل ڈول مردوں جیسا تھا۔ آواز اونچی اور گھمبیر اور رنگ سانولا

جو غصے کی حالت میں سیاہ پڑ جایا کرتا

(ii) سگو اور جگو کون تھیں؟

جواب: سگو بیگم تراب علی کی مہترانی (بھنگن) تھی اور جگو اس کی بیٹی تھی۔

(iii) سگو اور جگو نے مختلف گھروں کی بیگمات کے نشانی کے طور پر کیا نام رکھے ہوئے تھے؟

جواب: سگو اور جگو نے بیگم فاروق کا نام طوطے والی، بیگم الٰہی بخش کا نام کھلونے والی مسز ڈی فلوری کا نام کالی میم اور بیگم تراب علی کا نام ''ڈھڈو'' رکھا ہوا تھا۔

(iv) بیگم تراب نے سگو کو کیا پوچھنے کے لئے بلایا؟

جواب: بیگم تراب نے سگو کو یہ پوچھنے کیلئے بلایا کہ ان ماں بیٹی نے طوطے والی کھلونے والی اور کالی میم جیسے نام کن کن بیگمات کے لئے رکھے ہوئے ہیں۔

(v) ''کالی میم'' کا خطاب کن وجوہ کی بنا پر بیگم تراب کا ماتھا کیوں ٹھنکا؟

جواب: اپنے سانولے رنگ کی وجہ سے بیگم تراب کو شک گزرا کہ سگو نے ''کالی میم'' کا خطاب اسے ہی نہ دے رکھا ہو۔

(vi) سگو اور جگو نے بیگم تراب کا نام کیا رکھا ہوا تھا؟

جواب: سگو اور جگو نے بیگم تراب کا نام ''ڈھڈو'' رکھا ہوا تھا۔

سوال 2: سگو اور جگو کا نام بگاڑ کر رکھنا کس حد تک درست تھا؟

جواب: سگو اور جگو ان پڑھ اور گنوار تھیں۔ بیگمات کے بڑے بڑے اور مشکل نام یاد رکھنا ان کے لئے مشکل تھا دوسرا یہ کہ بگاڑ کر نام رکھنا ان کے طبقے کی عام روایت تھی۔ اس لئے بیگمات کا نام بگاڑ کر ان کی مجبوری تھی۔

سوال 3: اس افسانے کا نام ''پری چہرہ لوگ'' کیوں رکھا گیا ہے؟

جواب: اس افسانے کا نام ''پری چہرہ لوگ'' ایک طنزیہ نام ہے۔ امیر کبیر خواتین جو اپنے آپ کو پری چہرہ سمجھتی ہیں۔ بہت ہی معمولی لوگوں کی نظروں میں انکی حیثیت ''کرسٹان'' تپ دق والی اور ''ڈھڈو'' سے زیادہ کچھ نہیں۔

سوال 4: درست جواب کی نشاندہی کریں۔

(i) بیگم تراب کو کن کاموں میں دلچسپی تھی؟

(ا) کانٹ چھانٹ کے (ب) بھاگ دوڑ کے (ج) نگرانی کے

(ii) بیگم تراب کا ڈیل ڈول کیسا تھا؟

(ا) مردوں جیسا (ب) شیروں جیسا (ج) پھولوں جیسا

(iii) کالی میم کون تھی؟

(ا) مسز جہاں آرا (ب) مسز ڈی سلوا (ج) مسز ڈی فلوری

(iv) سگو کی نظر کس پر تھی؟

(ا) ٹہنوں پر (ب) قالین پر (ج) الماری پر

(v) کیا سگو نے بیگم تراب کے نام کے حوالے سے سچ بولا تھا؟

(ا) نہیں (ب) ہاں (ج) بات گول کر گئی

سوال 5: درج ذیل الفاظ اور تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

جواب:

الفاظ معانی	جملوں کا استعمال
ڈانٹ ڈپٹ	زیادہ ڈانٹ ڈپٹ سے بچے بگڑ جاتے ہیں۔
سن بلوغت	سن بلوغت کو پہنچتے ہی گھر والوں نے خالد کی شادی کر دی۔
باخبر	اخبارات اور ٹیلی وژن ہمیں روزمرہ کے حالات سے باخبر رکھتے ہیں۔
املاک	زلزلے میں املاک کے علاوہ بہت سا جانی نقصان بھی ہوا۔
سخت مزاجی	حد سے زیادہ سخت مزاجی باعث آزار بن جاتی ہے۔
گم سم	اسد دیر تک کلاس میں گم سم بیٹھا رہا۔

سوال 6: درج ذیل الفاظ کے درست تلفظ کو اعراب لگا کر واضح کریں۔

جواب:

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
کفایت	کِفَایَتْ	مجال	مَجَالْ	فربہی	فَرْبَہِی
مہترانی	مِہْتَرَانِیْ	آنچل	آنْچَلْ	لچائی	لَلْچَائِیْ

☆☆☆☆☆

Joher Videos

(۳) احمد ندیم قاسمی

حالات زندگی

اصل نام احمد شاہ تھا۔ 20 نومبر 1916ء کو خوشاب کے ایک گاؤں انگہ میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک گاؤں ہی میں پڑھے۔ 1924ء میں والد کی وفات کے بعد اپنے بڑے بھائی کے ہمراہ چچا خان بہادر پیر حیدر شاہ ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کے پاس کیمبل پور آ گئے۔ چچا کا تبادلہ شیخوپورہ میں ہوا، تو وہ بھی وہاں آ گئے۔ 1931ء میں یہیں سے میٹرک کیا، پھر بہاول پور کے ایجرٹن کالج سے 1935ء میں بی اے کیا۔ 1948ء میں شادی ہوئی۔ عملی زندگی کا آغاز ایک دفتر میں محرری سے کیا۔

ادبی خدمات

احمد ندیم قاسمی نے 1942ء میں ملازمت چھوڑ کر مدیری کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا۔ وہ ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے شاعری اور افسانہ نگاری کے علاوہ کالم نگاری بھی کی اور تنقیدی مضامین بھی لکھے۔

ان کے شعری مجموعوں میں ''دھڑکنیں، رم جھم، جلال و جمال، شعلہ گل'' اور ''دوام'' بہت اہم ہیں۔ پندرہ افسانوی مجموعوں میں۔ ''چوپال، بگولے، گرداب، درود یوار، سناٹا اور آنچل'' ادب اردو کی زینت ہیں۔ انہوں نے بحیثیت مدیر ''پھول، ادب لطیف، تہذیب نسواں، سویرا، نقوش، سحر، صحیفہ اور فنون'' جیسے بڑے ادبی رسائل میں خدمات انجام دیں۔ وہ روزنامہ ''امروز'' کی ادارت سے بھی وابستہ رہے۔ بچوں کے حوالے سے بھی کہانیاں لکھیں اور ان کی ترتیب دی گئی کتب میں ''منٹو کے خطوط'' بہت اہم ہے۔

اسلوب نگارش

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں ہمیں پنجاب کے دیہات، پنجاب کی ثقافت کے

مختلف رنگ اور دیہی زندگی کے مسائل کا احاطہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ چونکہ ترقی پسند تحریک سے بھی وابستہ تھے، اسی لیے اپنے افسانوں میں انہوں نے طبقاتی تضادات کو بھی پیش کیا ہے۔ ان افسانوں میں جہاں ایک طرف ہمیں غربت اور محرومی کا شکار کردار دکھائی دیتے ہیں، تو دوسری طرف اعلیٰ اقدار و روایات کے حامل کردار بھی نظر آتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا اسلوب سادہ بیانیہ ہے۔ ان کے کرداروں کی زبان وہی ہے۔ جو وہ اپنی حقیقی زندگی میں بولتے ہیں۔

☆☆☆

افسانہ "خربوزے"

(از احمد ندیم قاسمی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ہم جولی	دوست	تیوری چڑھالینا	غصے ہونا، نفرت کا اظہار کرنا
ہیولا	خاکہ، سایہ	بھرائی ہوئی آواز	بھاری آواز بیٹھے ہوئے گلے کی آواز
کُبڑا	پیٹھ جھکی ہوئی	اینڈنا	اترانا، اکڑ کر چلنا
سکتہ چھا جانا	بے ہوش ہو جانا	چوپال	گاؤں کا وہ جائے مکان یا ڈیرا جہاں لوگ مل کر بیٹھتے ہیں۔
ناخلف	نافرمان	کلیلیں بھرنا	جانوروں کا خوشی سے اچھلنا کودنا
کپوت	نالائق بیٹا	دست پناہ	چمٹا
بُلاق	ناک میں پہننے کا ایک زیور	رسیا	شوقین
نام کو بٹہ لگانا	رسوا کرنا۔ عیب لگانا	پوربی گوشہ	مشرقی کونہ

مرکزی خیال

احمد ندیم قاسمی کا لکھا ہوا یہ افسانہ غربت کے ہاتھوں ستائے ہوئے انسانوں کی محرومیوں اور حسرتوں کی کہانی ہے۔ غربت کس قدر ستاتی ہے۔ اور مفلس ماؤں کے چاند ستاروں کی معمولی سی خواہشات اس کے ہاتھوں کس طرح پامال ہوتی ہیں۔ ہماری اس دنیا کا یہ ایک دردناک المیہ ہے۔ نارسا لوگوں کا کافی تگ و دو کے بعد جب کوئی معمولی سا خواب پورا ہونے لگتا ہے۔ تو قسمت کی ستم ظریفی کوئی اور کھیل کھیلتی ہے۔ اور پھر سے خواب چکنا چور ہو جاتا ہے۔ مفلسی سے خدا کی پناہ کہ مفلسی بعض اوقات کفر تک پہنچا دیتی ہے۔

☆☆☆

خلاصہ

احمد ندیم قاسمی کے اس افسانے میں غربت اور محرومی کا شکار ایک ننھے بچے اور اسکی ماں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ بچے کے سر پر خربوزے کھانے کا بھوت سوار تھا۔ لیکن ماں کے پاس اتنی سکت نہ تھی۔ کہ بچے کو پیلے پیلے خربوزے خرید کر دے سکتی۔ بچہ آخر روتا بسورتا سو گیا تو اسے خواب میں بھی خربوزے نظر آتے رہے۔ صبح جب بیدار ہوا تو آنکھیں ملتا ہوا ماں کے پاس جا بیٹھا۔ اور مسکین آواز میں بولا۔ ماں "خربوزہ" بچے کی ضد سے بیزار ماں نے اسے تھپڑ دے مارا اور وہ لڑھک کر چولہے کے پاس جا گرا۔ وہ روتا بسورتا وہاں سے اٹھا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ اس نے سوچا میرا باپ پہلے ہی نہیں تھا۔ اب میری ماں بھی کوئی نہیں۔ وہ چلتے چلتے رکا اور خدا کو آخری سہارا سمجھتے ہوئے اس سے خربوزوں کے لئے دعا مانگنے لگا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسی اثنا میں اسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اس نے سمجھا اللہ میاں اس کے لئے خربوزے لا رہے ہیں۔ پھر اچانک اس کو زور کا ایک تھپڑ پڑا اس نے دیکھا تو خربوزوں کے کھیت کا مالک بخشو اس پر دھاڑ رہا تھا۔ کہ پچھلے چند دنوں میں تم نے میرے کھیت کا ایک کونہ تباہ کر ڈالا ہے۔ وہ روتا بسورتا وہاں سے چل دیا۔ ایک بیری کے نیچے بیٹھ کر وہ سوچنے لگا کہ نہ اس کا باپ ہے نہ ماں اور نہ خدا۔ وہ وہیں سو گیا۔ اس کی ماں تلاش کرتی ہوئی وہاں آ نکلی۔ اس نے

اسے تھپڑ دے مارا اور ڈانٹتے ہوئے ساتھ لے چلی۔ وہ اسے کوس رہی تھی۔ کہ تم نے جنتو سے خربوزے چرا کر میری ناک کٹوا دی۔ گھر آ کر ماں نے اسے دلاسہ دیا۔ اسے روٹی دی اور پیار کرنے لگی۔ بیٹا فخر سے بولا۔ ماں میں بڑا ہو کر تھانے میں سپاہی بنوں گا۔

خربوزوں کا بھوت ننھے کے سر پر ویسے ہی سوار رہا۔ اس نے کئی بار ماں سے خربوزے کی فرمائش بھی کی۔ لیکن اسکی ماں اسکے لئے خربوزہ نہیں خرید سکتی تھی۔

آخر ایک دن ذیلدار کا بھوسہ آیا۔ اس نے چھوٹے لڑکوں کو دو دو پیسے کے عوض بھوسہ لتاڑنے پر لگا دیا۔ ننھے نے بھی بھوسہ لتاڑا اور دو پیسے اجرت پائی۔ ان دو پیسوں سے اس نے دکاندار سے خربوزہ خرید لیا۔ اتفاق کی بات کہ گھر لا کر خربوزہ کاٹا گیا تو اندر سے گندا نکالا۔ اس میں کیڑے کلبلا رہے تھے۔

☆☆☆

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(i) ننھا بچہ سوتے میں کیا خواب دیکھتا ہے؟

جواب: ننھا بچہ سوتے میں خواب دیکھتا ہے۔ کہ آسمان کے ستارے ہولے ہولے جھم جھم کرتے اس کی خربوزوں کی شکل اختیار کر رہے ہیں اور یہ آسمانی خربوزے جھولی میں آ گرتے ہیں، خود ہی کٹ کر گودا اس کے منہ میں ڈال دیتے ہیں۔ اسکی ماں کواڑ کا سہارا لیئے بیٹھی مسکرا رہی ہے۔ اور اس کے دوست اسے تعجب اور رشک سے دیکھ رہے ہیں۔

(ii) ماں جب خربوزہ لے کر دینے سے انکار کر دیتی ہے، تو بچہ ماں کے بارے میں کیا سوچتا ہے؟

جواب: ماں جب خربوزہ لے کر دینے سے انکار کر دیتی ہے۔ تو بچہ سوچتا ہے۔ کہ یہ میری ماں نہیں ہے۔ اور میں کوئی آوارہ بھکاری چھوکرا ہوں۔

(iii) بچہ اللہ میاں سے کیا دعا مانگتا ہے؟

جواب: بچہ اللہ میاں سے دعا مانگتا ہے کہ اے میرے اچھے خدا! مجھے آج اچھے اچھے پیلے پیلے خربوزے لا دے۔

(iv) کھیت کا مالک بخشو بچے پر کیا الزام لگاتا ہے؟

جواب: کھیت کا مالک بخشو بچے پر کھیت سے خربوزے چرانے کا الزام لگاتا ہے۔

(v) بچے کی سپاہی بننے کی آرزو کا سن کر ماں کیا جواب دیتی ہے؟

جواب: بچے کی سپاہی بننے کی آرزو کا سن کر ماں مسکرا کر کہتی ہے۔ ہاں میرا ننھا تھانے کا سپاہی بنے گا۔ سر پر لال پگڑی، ہاتھ میں ننھی سی چھڑی، پاؤں میں کالے بوٹ، جدھر جائے گا لوگ زمین پر بچھتے جائیں گے۔ اور پھر میرا لال چھٹی پر آئے گا۔ تو میرے لئے اچھی اچھی چیزیں لائے گا۔

(vi) ماں جب خربوزہ کاٹنے لگی، تو بچے نے دل میں کیا پڑھا؟

جواب: ماں جب خربوزہ کاٹنے لگی تو بچے نے دل میں بسم اللہ شریف پڑھی۔

(vii) خربوزہ جب کاٹا گیا، تو اندر سے کیا نکلا؟

جواب: خربوزہ جب کاٹا گیا تو اندر سے بدبودار پانی نکلا۔ بیج کالے ہو چکے تھے۔ اور اندر سفید رنگ کے لمبے لمبے کیڑے رینگ رہے تھے۔

(viii) افسانہ ''خربوزے'' پڑھ کر آپ نے کیا محسوس کیا؟ مختصراً لکھیں۔

جواب: افسانہ ''خربوزے'' پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ غریب ماؤں کے ننھے منے بچوں کی خواہشات اور آرزوئیں بھی بہت مسکین سی اور بالکل معمولی ہوتی ہیں۔ اور اگر یہ پوری نہ ہوں تو ان کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ ایک خربوزے کی اوقات ہی کیا ہے۔ لیکن غریب ماں اپنے بچے کی اتنی معمولی سی خواہش بھی پوری نہیں کر پاتی۔

سوال 2: خالی جگہ پُر کریں۔

(i) ماں اچانک نیند سے ..... کر پکاری۔ (چونک)

(ii) میں تو کوئی ..... بھکاری چھوکرا ہوں۔ (آوارہ)

(iii) میرے کھیت کا ..... گوشہ تباہ کر ڈالا۔ (پوربی)

(iv) ارے! ..... تجھے شرم نہ آئی۔ (چوٹے)

(v) سب ننھے ننھے ..... کی طرح باہر نکلے۔ (فرط مسرت)

(vi) اُس کا حلق ..... سے گھٹ گیا۔

سوال 3: درج ذیل الفاظ اور تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں۔ کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

جواب:

الفاظ	جملوں کا استعمال
تھکا ماندہ	تھکا ماندہ مسافر ذرا دیر آرام کیلئے لیٹ گیا۔
گرد آلود	ٹھیلوں کی گرد آلود چیزیں کھانے سے صحت خراب ہو سکتی ہے۔
بھکاری	شہر کے ہر چوک میں بے شمار بھکاری بھیک مانگتے نظر آتے ہیں۔
چاپ	مجھے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔
کم بخت	کم بخت پتنگ کی ڈور نے بچے کی جان لے لی۔
چوپال	گاؤں کے لوگ شام کو چوپال میں اکٹھے بیٹھ کر اپنے مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔
فرط مسرت	امتحان میں بیٹے کی کامیابی کی خبر سن کر ماں کا چہرہ فرط مسرت سے چمک اٹھا۔

☆☆☆☆

AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلئے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلئے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com
AIOU GROUP
0307-9426406
AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

(۴) شوکت صدیقی

حالات زندگی

افسانوی ادب کے مقبول ترین تخلیق کار شوکت صدیقی 20 مارچ 1923ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام الطاف حسین تھا۔ شوکت صدیقی نے 1938ء میں میٹرک کا امتحان اول درجے میں پاس کیا۔ ایف اے کرنے کے لئے لکھنؤ کرسچین کالج میں داخلہ لیا لیکن وہاں تعلیم باقاعدگی سے حاصل نہ کر پائے۔ 1940ء میں پرائیویٹ امیدوار کے طور پر انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں درجہ دوم میں پاس ہوئے۔ 1941ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ زمانہ طالب علمی ہی میں افسانہ نگاری کا آغاز کر دیا تھا۔ 1940ء تا 1943ء فوج میں ملازم رہے۔ 1950ء میں پاکستان آ گئے اور صحافت کو بطور پیشہ اختیار کر لیا۔ پاکستان سینڈرڈ، ٹائمز آف کراچی، روزنامہ، انجام اور مساوات کے ایڈیٹر رہے۔

ادبی خدمات

''خدا کی بستی، جانگلوس اور چار دیواری'' اُن کے ناولوں کے نام ہیں۔ ان کے افسانوی مجموعوں میں ''تیسرا آدمی، اندھیرا اور راتوں کا شہر، کیمیا گر اور عشق کے چار دن'' شامل ہیں۔ انہوں نے کئی یادگار ڈرامے لکھے اور کالم نگاری بھی کی۔ اُن کے کالم مابقاتی جدوجہد اور بنیاد پرستی کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔

اعزازات

1960ء میں آدم جی ادبی ایوارڈ حاصل کیا 1997ء میں پرائڈ آف پرفارمنس، 2002ء میں کمال فن ایوارڈ اور پھر 2003ء میں ستارہ امتیاز سے بھی سرافراز ہوئے۔

اسلوب نگارش

شوکت صدیقی اپنی کہانیوں میں شہری زندگی کے مسائل اور پریشانیوں کو موضوع

بناتے ہیں۔ غربت، مفلسی، بے بسی اور طبقاتی تفریق سے معاشرے میں کیسی کیسی ہولناک صورتیں منظر عام پر آتی ہیں؟ شوکت صدیقی ان خوفناک صورتوں کو بڑی بے رحمی کے ساتھ پیش کرنے کا تخلیقی جوہر رکھتے ہیں۔ اُن کا اسلوب اگرچہ سادہ ہے، لیکن ان کا موضوع بہت تہہ دار ہوتا ہے۔ وہ موضوع خواہ سیاسی اور سماجی ہو، خواہ معاشی، وہ ایک حقیقت نگار کی طرح اس کے ہر پہلو کو بے نقاب کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔

☆☆☆

سبق "تماشائے اہل کرم"

(از شوکت صدیقی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
غول	گروہ، مجمع	بھنّا کر	ناراض ہو کر، خفا ہو کر
بے سدھ	بے ہوش	چٹیل میدان	وہ میدان جس میں کوئی سایہ دار درخت نہ ہو۔
گومگو	الجھن۔ تذبذب	ناگاہ	اچانک
چوپٹ ہونا	خراب ہونا	دل برداشتہ	غمگین
گلوخلاصی کرائی	جان چھڑائی	مونس غم گسار	دوست، چاہنے والا
زود رنج	جلد غصے میں آ جانے والا	امتداد زمانہ	زمانے کی طوالت۔ طویل مدت
غنیم	دشمن	اوسان خطا ہونا	ہوش اڑ جانا
برافروختہ	ناراض، غصے میں آنا	مشاطائیں	بناؤ سنگار کرنے والی عورتیں
کف افسوس ملنا	پچھتانا، افسوس کرنا	سنکی	خبطی۔ جنونی
مشاق	ماہر	گھگھی بندھ گئی	روتے روتے سانس بند ہو جانا
سٹی گم ہو گئی	گھبرا جانا۔ بوکھلانا	بدرو	گندی نالی

مرکزی خیال

شوکت صدیقی کے اس افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ حادثات اچانک رونما نہیں ہوتے بلکہ ان کے پیچھے اسباب وواقعات کا ایک طویل سلسلہ ہوتا ہے۔ بعض حادثات انسانی زندگی کا رخ کچھ اس طرح تبدیل کر دیتے ہیں۔ کہ انسان نہ چاہتے ہوئے بھی حالات کی موجوں کے ساتھ ساتھ بہنے لگتا ہے۔ اور انجام کار کسی اندھی گہری کھائی میں جا گرتا ہے۔ لیکن دیکھنے والے اس کی مجبوریوں کو سمجھ نہیں پاتے۔ اور یوں معاشرے کی نظروں میں وہ مجبور شخص معتوب ٹھہرتا ہے۔

☆☆☆

خلاصہ

عبداللہ ایک بے اولاد غریب آدمی تھا۔ ایک رات رکشا اپنے مالک کو لوٹا کر واپس گھر آ رہا تھا کہ درانی نامی ایک شخص کی کار سے ٹکرا کر بری طرح کچلا گیا۔ درانی نے پولیس کے ساتھ مک مکا کر کے اس حادثے سے چھٹکارا پا لیا لیکن ایک نوجوان خدا ترس ڈاکٹر کا گزر جب اسی سڑک پر سے ہوا، تو اس نے زخمی عبداللہ کو اٹھا کر اپنی گاڑی میں ڈالا اور ہسپتال پہنچا دیا، جہاں وہ دو ماہ تک زیر علاج رہا۔ وہ صحت مند تو ہو گیا لیکن اُس کی ایک ٹانگ مجبوراً کاٹنی پڑی، کیونکہ پیر کی ہڈی چکنا چور ہو گئی تھی اور اُس کے ٹھیک ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ محلے میں ایک امیر بیوہ سکینہ بیگم رہتی تھی۔ جس کا بیٹا روٹھ کر گھر سے چلا گیا تھا کہ پھر ماں کی خبر تک نہ لی۔ ایک اطلاع کی مطابق وہ ایک ٹرین کے حادثے میں جان بحق ہو چکا تھا، لیکن اس کی ماں بیٹے کی واپسی کی اب بھی منتظر تھی۔ سکینہ اپنے بیٹے کے لئے کھچڑی پکاتی اور رات گئے تک بیٹے کا انتظار کرتی رہتی، صبح جب وہ نہ آتا، تو کھچڑی کسی غریب مسکین کو دے دیتی تھی۔ اب یہ غریب اور مسکین عبداللہ اور اس کی بیوی تھی۔ یہ کھچڑی عبداللہ کی بیوی سکینہ کے گھر سے لے آتی تھی اور ایک وقت کھانے کا بندوبست ہو جاتا تھا لیکن جب عبداللہ کی بیوی بیمار پڑی اور چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو گئی، تو کھانے کا یہ سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ محلے کے قبرستان میں ایک انگریز کی قبر تھی۔ جس کے بارے میں مشہور تھا کہ انگریز کرنل کا بھوت سنسان راتوں میں محلے کی گلیوں میں منڈلاتا ہے اور ''مکھن ٹوش'' کی صدا لگاتا ہے۔ ایک تاریک رات جب عبداللہ قبرستان والی گلی سے گزر رہا تھا۔ تو ایک راہ گیر اچانک عبداللہ کو سامنے پا کر اُسے بھوت سمجھا اور

گھبرا کر ایسا بھاگا کہ گرم گرم امرتیاں اُس کے ہاتھ سے نیچے گر پڑیں۔ عبداللہ نے امرتیوں والا لفافہ اٹھایا اور گھر پہنچ کر دونوں میاں بیوی نے انہیں مزے لے لے کر کھایا۔ دوسری مرتبہ ایک مونگ پھلی بیچنے والا دہشت زدہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا۔ غرض عبداللہ کو تاریک راتوں میں پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے ایک اچھا ذریعہ ہاتھ آ گیا۔ کرنل کے بھوت کے وہم میں مبتلا لوگ اُسے اب کرنل کا بھوت ہی سمجھنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ اندھیرا ہوتے ہی وہ کسی نہ کسی شکار کو ''مکھن ٹوش'' کی صدا لگا کر دبوچ لیتا تھا۔ اب وہ دن بھر سوتا اور رات کو ''کام'' پر نکل پڑتا تھا۔ ایک رات ایک گھر کے دروازے کے ساتھ لگ کر اس نے زور سے ''مکھن ٹوش'' کی آواز لگائی، تو گھر والے کی دہشت کے مارے چیخ نکل گئی۔ اس چیخ پکار کو سُن کر اور لوگ بھی بیدار ہو گئے۔ عبداللہ قبرستان کی طرف لنگڑاتا ہوا بھاگا۔ اُس نے جان بچانے کی بہت کوشش کی، لیکن لوگوں نے اسے بھوت سمجھتے ہوئے پتھروں کی بارش کر کے ابدی نیند سُلا دیا۔ اگلی صبح پتا چلا کہ وہ بھوت نہیں بلکہ اسی بستی کا کارکن عبداللہ تھا۔

☆☆☆

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل سوالات کے جواب تحریر کریں۔

(i) کار کے حادثے کے بعد درانی کی پریشانی کا اصل سبب کیا تھا؟

جواب: کار کے حادثے کے بعد درانی کی پریشانی کا اصل سبب یہ تھا کہ اسکی کار کی ٹکر سے ایک لمبا چوڑا آدمی شدید زخمی ہو گیا تھا اور وہ خون میں لت پت سڑک پر پڑا کراہ رہا تھا۔

(ii) ٹرک کے ڈرائیور اور کلینر نے درانی کو کیا مشورہ دیا؟

جواب: ٹرک کے ڈرائیور اور کلینر نے درانی کو مشورہ دیا کہ وہ زخمی کو ہسپتال پہنچانے کے چکر میں نہ پڑے۔ بلکہ تھانے جا کر پولیس سے معاملہ طے کر لے۔ تا کہ عدالت کے چکروں سے بچ سکے۔

(iii) عبداللہ کتنا عرصہ ہسپتال میں زیر علاج رہا؟

جواب: عبداللہ تقریباً دو مہینے ہسپتال میں زیر علاج رہا۔

(iv) عبداللہ جس محلے میں رہتا تھا، وہاں کی بیشتر آبادی کن لوگوں پر مشتمل تھی؟

جواب: عبداللہ جس محلے میں رہتا تھا وہاں کی بیشتر آبادی غریب اور پسماندہ طبقے کے

لوگوں پر مشتمل تھی۔

(v) بیوہ سکینہ بیگم کا بیٹا گھر سے کیوں بھاگ گیا تھا؟

جواب: بیوہ سکینہ بیگم کا بیٹا ماں سے ناراض ہو کر گھر سے بھاگ گیا تھا۔ کیونکہ ماں نے اس کی کھچڑی کھانے کی فرمائش پوری نہیں کی تھی۔

(vi) سکینہ بیگم کھچڑی کیوں پکاتی تھی اور صبح کھچڑی کسے دے دیتی تھی؟

جواب: سکینہ بیگم ہر روز اپنے گھر سے بھاگے ہوئے بیٹے کا انتظار کرتی اور ہر شام اہتمام سے اس کے لئے کھچڑی پکاتی۔ صبح تک کھچڑی باسی ہو جاتی تو کسی محتاج اور مسکین کو دے دیتی۔

(vii) عبداللہ کے گھر کھچڑی آنا کیوں بند ہوگئی؟

جواب: کھچڑی عبداللہ کی بیوی لاتی تھی جب وہ بھی چلنے سے معذور ہوگئی تو عبداللہ کے گھر کھچڑی آنا بند ہوگئی۔

(viii) عبداللہ نے کس بات کو اپنے اپاہج روٹی روزی کا ذریعہ بنایا؟

جواب: عبداللہ نے کرنل کا بھوت بن کر لوگوں کو ڈرانا اور لوٹنا شروع کر دیا اور اس طرح اپنی معذوری کو روٹی روزی کا ذریعہ بنا لیا۔

(ix) اہل محلّہ نے عبداللہ پر کیا سمجھ کر سنگ باری کی؟

جواب: اہل محلّہ نے عبداللہ پر کرنل کا بھوت سمجھ کر سنگ باری کی۔

(x) عبداللہ نے رات کی تاریکی میں بھوت بن کر کن کن لوگوں کو لوٹا؟

جواب: عبداللہ نے رات کی تاریکی میں بھوت بن کر پہلے ایک امرتوں والے اور پھر ایک مونگ پھلی والے کو لوٹا۔ اس کے بعد جب یہ سلسلہ چل نکلا تو اس نے بے شمار دوسرے لوگوں کو بھی لوٹا۔

سوال 2: عبداللہ جیسے معذور لوگوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ اس سوال کے جواب میں ایک مفصل نوٹ لکھیں۔

جواب: **معذوروں کی دیکھ بھال**

ایسے افراد جو کسی بیماری یا معذوری کی وجہ سے بے کار ہو جائیں۔ اور اپنی روٹی روزی کمانے کے قابل نہ رہیں ان کی دیکھ بھال کی ذمہ داری حکومت اور معاشرے دونوں پر عائد ہوتی ہے۔ حکومت کا فرض ہے کہ ایسے افراد معاشرہ کی

بحالی کیلئے مناسب اقدامات کیئے جائیں۔ ان کی کفالت کا مناسب انتظام کیا جائے۔ اور حکومتی سطح پر ایسے ادارے قائم کیئے جائیں۔ جہاں معذور افراد کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ ان کو مختلف ہنر سکھانے اور پیشہ وارانہ تربیت دینے کے انتظامات کیئے گئے ہوں تاکہ معذوری ان افراد کے لئے مجبوری نہ بنے اور وہ باعزت طریقے سے روزی کما سکیں۔ حکومت کے ساتھ ساتھ معاشرے کے مخیّر افراد کا بھی فرض ہے۔ کہ وہ معذوروں اور بے کسوں کی دیکھ بھال اور بحالی کے کاموں میں دل کھول کر امداد کریں۔ تاکہ یہ لوگ بھی باعزت انداز میں زندگی گزار سکیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہو۔

سوال 3: افسانہ ''تماشائے اہل کرم'' میں کس توہم پرستی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ آپ کے خیال میں توہم پرستی سے نجات کی صورت کیا ہے؟ وضاحت کریں۔

جواب: ''افسانہ تماشائے اہل کرم'' میں اس توہم پرستی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ مرنے کے بعد بھوت بن جاتے ہیں۔ اور ان کی روحیں راتوں کو انسانوں کو ڈراتی ہیں۔ اس توہم پرستی سے نجات کا واحد راستہ یہ ہے۔ کہ لوگوں کو صحیح اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے تاکہ شریعت کی روشنی پا کر وہ جاہلانہ خرافات سے بچ سکیں۔

سوال 4: درج ذیل الفاظ اور تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مفہوم واضح ہو جائے۔

جواب:

الفاظ	جملوں کا استعمال
گومگو	سلیم فوراً کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ کئی منٹ اسی گومگو کی حالت میں گزر گئے۔
ناگاہ	ناگاہ بجلی کوندی اور پھر موسلا دھار بارش ہونے لگی۔
حوصلہ شکنی	اساتذہ کو چاہیئے کہ کمزور طلباء کی حوصلہ شکنی سے گریز کریں۔
گلوخلاصی	ٹرک ڈرائیور نے پولیس کو کچھ دے دلا کر اپنی گلوخلاصی کرائی۔
فاقہ کشی	مزدور نے فاقہ کشی سے تنگ آ کر نہر میں چھلانگ لگا دی۔
سرِشام	گاؤں کے کچے راستے سرِشام سنسان ہو جاتے ہیں۔

www.joheraiou.com
YouTube Joher Videos

(۵) اشفاق احمد

حالات زندگی

اشفاق احمد 22 اگست 1925ء کو فیروز پور میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد اپنے والدین کے ہمراہ لاہور منتقل ہو گئے۔ نوجوان اشفاق احمد کے لئے یہ زمانہ بڑا پُر آشوب تھا۔ اگرچہ گریجوایٹ تھے، لیکن حصولِ روزگار کے لئے کافی تگ ودو کرنا پڑی۔ عملی زندگی کا آغاز محکمہ ریلوے میں ایک معمولی ملازمت سے کیا، لیکن اگلے ہی روز ملازمت کو خیر باد کہا اور لاہور میں والٹن کے مقام پر مہاجرین کے کیمپ میں ملازم بھرتی ہو گئے۔ یہاں اناؤنسمنٹ کا شعبہ اُن کے سپرد ہوا۔ اسی زمانے میں بانو قدسیہ سے شادی ہوئی۔ میاں بیوی نے مل کر لاہور سے ایک معروف ادبی رسالے ''داستان گو'' کا اجرا کیا۔ 1928ء میں ایم اے (اردو) کرنے کے بعد دیال سنگھ کالج لاہور میں بطور لیکچرار خدمات انجام دیں۔ ریڈیائی ڈراموں کے علاوہ پاکستان ٹیلی وژن کے لئے بیسیوں فیچر اور ڈرامے تخلیق کیے۔ کچھ عرصہ ڈائریکٹر آر سی دی ریجنل کلچرل انسٹی ٹیوٹ رہے اور بعد میں سنٹرل ترقی اردو بورڈ لاہور کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ 1979ء میں حکومت پاکستان نے انہیں پرائڈ آف پرفارمنس سے نوازا۔

ادبی خدمات

''ایک محبت سو افسانے، اجلے پھول اور سفر مینا'' اشفاق احمد کے افسانوی مجموعے ہیں۔ انہوں نے متعدد کتب کے تراجم بھی کیے۔ اشفاق احمد بظاہر سیدھی سادی کہانی لکھتے ہیں، لیکن ان کی کہانیوں کے موضوعات اُن کی گہرے فکری سوچ کا پتا دیتے ہیں۔ اُن کا اسلوب بالکل داستان گو کی طرح ہے۔ اُن کے افسانے پڑھیں، تو محسوس ہوتا ہے کہ جیسے خود اشفاق احمد قاری کو کہانی سُنا رہے ہوں۔ کرداروں کی جزئیات کو سمیٹنے میں اتنی مہارت رکھتے ہیں کہ پورا

واقعہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ جیسے ڈرامہ [illegible] افسانوی اسلوب ہے۔ وہ زندگی کی کہانی نہیں لکھتے، بلکہ خود اپنی کہانی تراش کر اُس میں زندگی کے رنگ بھر دیتے ہیں۔ ''عجیب بادشاہ، بادشاہ، امی، حقیقت نیوش اور گڈریا'' اُن کی یادگار کہانیاں ہیں۔

☆☆☆

سبق ''دم''

(از اشفاق احمد)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
تھڑدلی	کمزور دل والی	دائم المریض	ہمیشہ کا مریض، مستقل مریض
استفسار	سوال پوچھنا	دیدجی	طبیب یا حکیم
دھجی	کپڑے کی کترن، پُرزہ	چنبک	مقناطیس
بوزنہ	بندر	کاڑھا	جوش دی ہوئی جڑی بوٹیاں
چنٹ	سلوٹ۔ کپڑے کی شکن	مورکھ	احمق۔ بے وقوف
طناب	خیمے کی رسی۔ ڈوری	اچھیا	ماضی۔ خواہش
بینتی	درخواست، گذارش	لکھت	تحریر
سیس نوا کے	سر جھکا کے	جوارش	ہاضمے کی ایک خوش ذائقہ دوا

مرکزی خیال

اشفاق احمد نے اپنے اس افسانے میں ہماری عہد ماضی کی ایک روایت کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ موضوع بنایا ہے۔ ہمارے ہاں یہ روایت رہی ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد

کٹورے وغیرہ لے کر کھڑے ہو جاتے اور نمازی ان میں پھونک مارتے جاتے۔ یہی پانی مریضوں کیلئے باعث شفا بن جاتا۔ لیکن دور حاضر کے جدید علوم سے بہرہ مند انسان کو دم کے ان اثرات پر یقین نہیں۔ اس لئے ماضی کی یہ پر تاثیر روایت آہستہ آہستہ دم توڑ رہی ہے۔

AIOU☆☆☆ کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

خلاصہ

یہ بھلے زمانے کے بھلے لوگوں کی کہانی ہے۔ مادھو کے والد ماتھر جی خود ایک حکیم تھے۔ پورے قصبے میں اُن کے ہاتھ کی شفا مشہور تھی۔ اُن کا بیٹا مادھو جب بیمار پڑا، تو مہینا بھر خود ہی علاج معالجہ کرتے رہے۔ بات نہ بنی، پھر شہر جا کر ٹیکے بھی لگوائے، لیکن بیماری تھی کہ جانے کا نام نہ لیتی تھی تب مادھو کی بہن گائتری نے ایک اور تدابیر اختیار کی۔ وہ اپنے ننھے بھائی کو سینے سے چمٹائے، پانی کی شیشی ہاتھ میں لئے بہت سی دوسری مسلم عورتوں اور لڑکیوں کی طرح پانی پر دم کروانے کیلئے مسجد کے دروازے پر کھڑی ہو جاتی تھی۔ نمازی مسجد سے باہر نکلتے آیات پڑھتے اور شیشی پر دم کرتے جاتے۔ افسانہ نگار کے بقول اُس کے علاج کا یہ طریقہ کئی سوالات کو جنم دیتا تھا، لیکن شاید اُن دنوں ایسے سوالات بڑوں سے پوچھنے کی اجازت نہ تھی۔ نماز مغرب کے بعد افسانہ نگار جب مسجد سے باہر نکلا، تو اس نے بھی اپنے ابا جی کی طرح الحمد شریف پڑھ کر مادھو کے سارے وجود پر چھو کی۔ اللہ کی قدرت دم توڑتا بچہ کچھ ہی دنوں میں بھلا چنگا ہو گیا۔ ماتھر جی کو پورا یقین تھا کہ افسانہ نگار ہی کی پھونک سے مادھو کو نیا جیون ملا تھا۔ ماہ و سال بیتے، زمانہ بدلا، افسانہ نگار اب دادا بن چکا ہے، لیکن اُس کے ذہن میں یہ بات ہمیشہ رہی کہ اللہ کے کلام میں ایسی برکت ہے کہ موت کے منہ میں جاتا کوئی بھی مادھو واپس آ سکتا ہے۔ جب افسانہ نگار کی پوتی بیمار پڑی تو وہ بھی مسجد کے وضو کے پانی سے گلاس بھر کر اور نمازیوں سے دم کروا لایا اور بہو سے پوتی کو پلانے کے لئے کہا، لیکن بہو نے محبت سے کہا کہ اس پانی میں وائرس اور جراثیم ہیں، جبکہ نینا اُبلا ہوا پانی پیتی ہے یہ ضرور ہے کہ بہو دم کئے ہوئے پانی کو مقدس سمجھتی ہے اور اسے گرانے کی بجائے منی پلانٹ کے پودے میں ڈال دیتی ہے۔

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل خالی جگہوں کو پُر کریں۔

(i) گود میں ماد ھوتھا، آنکھوں میں آنسو، کانوں میں پیتل کے ..... (بندے)

(ii) اللہ مولا نے کل سو یر تک ..... کر دیتا ہے۔ (فضل)

(iii) ماتھر صاحب اپنے گھر پر ہی ..... کا علاج کرتے تھے۔ (مریضوں)

(iv) مسجد کے دروازے پر میرے قدم ..... کے ہو گئے۔ (من من)

(v) یہ سب ..... کے بھید ہیں۔ (بھگوان)

سوال 2: درج ذیل کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(i) اپنے مرتے ہوئے بھائی کو سینے سے چمٹائے گائڑی کس فلم کا اشتہار لگتی تھی؟

جواب: اپنے مرتے ہوئے بھائی کو سینے سے چمٹائے گائڑی کسی دردناک فلم کا اشتہار لگتی تھی۔

(ii) غیر مسلم عورتیں پانی پر دم کرانے مسجد کے دروازے پر کس وقت آتیں؟

جواب: غیر مسلم عورتیں پانی پر دم کرانے اکثر مغرب کے وقت مسجد کے دروازے پر آتیں۔

(iii) ماتھر جی کا ذریعہ معاش کیا تھا؟

جواب: ماتھر جی پیشے کے لحاظ سے حکیم تھے اور گھر پر ہی مریضوں کا علاج کرتے تھے۔

(iv) افسانہ نگار کو دم کیے پانی کے اثرات پر کس حد تک یقین تھا؟

جواب: دم کیے پانی کے اثرات کے بارے میں یہ بات افسانہ نگار کے ہمیشہ دل میں رہی کہ اللہ کے کلام میں ایسی برکت ہے۔ کہ موت کے منہ میں جاتا کوئی بھی بچہ واپس آ سکتا ہے۔

(v) افسانہ نگار نے کیا پڑھ کر پانی پر دم کیا؟

جواب: افسانہ نگار نے الحمد شریف پڑھ کر پانی پر دم کیا۔

(vi) ماتھر جی نے افسانہ نگار کو مالٹا کھانے سے کیوں منع کیا؟

جواب: افسانہ نگار کو زکام تھا اس لئے ماتھر جی نے اسے مالٹا کھانے سے منع کیا۔

(vii) افسانہ نگار اپنی پوتی کے لئے مسجد سے پانی دم کروا کر کیوں لایا؟

جواب: افسانہ نگار کی پوتی بیمار تھی۔ اسے یقین تھا کہ اللہ کے کلام کی برکت سے بچی تندرست ہو جائے گی اس لئے وہ اپنی پوتی کے لئے مسجد سے پانی دم کروا کر لے آیا۔

(viii) بہو نے دم والے پانی کی بابت کیا رائے دی؟

جواب: بہو نے دم والے پانی کے بارے میں کہا کہ وائرس اور جراثیم پر یہ پانی اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ اس کے تو اپنے بہت سے جراثیم ہوں گے اس لئے یہ پانی بچی کے لئے بہت خطرناک ہوگا۔

سوال 3: درست جواب پر (✓) اور غلط پر (✗) کا نشان لگائیں۔

(i) گاگو کسائی نے مادھو کے سر پر ہاتھ رکھا۔ (غلط)

(ii) ابا جی ٹوپی پہن کر مسجد آتے تھے۔ (غلط)

(iii) ابا جی نے الحمد شریف پڑھ کر شیشی پر دم کیا۔ (غلط)

(iv) گائتری ماتھر صاحب کی بہن تھی۔ (غلط)

(v) ماتھر جی گرم گرم کاڑھا چمچ سے ٹھنڈا کر رہے تھے۔ (صحیح)

(vi) بہو کا خیال تھا کہ دم والے پانی میں وائرس اور جراثیم ہیں۔

☆☆☆☆☆

AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلئے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلئے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com

(۶) الطاف فاطمہ

حالات زندگی

الطاف فاطمہ 10 جون 1927ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ اُن کا تعلق 1857ء کی جنگ آزادی کے نامور ہیرو اور مجاہد مولوی فضل حق خیر آبادی کے گھرانے سے ہے۔ الطاف فاطمہ کے والد ماجد کا نام فضل امین تھا، جو علی گڑھ یونیورسٹی کے فارغ التحصیل تھے۔ قیام پاکستان کے بعد الطاف فاطمہ لاہور آ گئیں۔ اُس وقت وہ ایف اے کی طالبہ تھیں۔ لاہور میں اُنہوں نے پرائیویٹ امیدوار کی حیثیت سے ایف اور پھر بی اے کیا۔ اورینٹل کالج لاہور سے ایم اے اردو کیا۔ 1964ء میں اسلامیہ کالج کوپر روڈ میں پڑھانا شروع کیا اور 1988ء میں اسی کالج سے ریٹائر ہوئیں۔ ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ عرصہ اپوا کالج میں بھی تدریسی خدمات انجام دیں۔

ادبی خدمات

الطاف فاطمہ کے چار ناول شائع ہو چکے ہیں: ''نشان منزل''، ''دستک نہ دو''، ''چلتا مسافر اور خواب گر''۔ اُن کے تین افسانوی مجموعے ''وہ جسے چاہا گیا''، ''جب دیواریں گریہ کرتی ہیں اور تار عنکبوت'' شائع ہو چکے ہیں۔

اسلوب نگارش

الطاف فاطمہ حقیقی زندگی کی کہانیاں لکھتی ہیں۔ یہ کہانیاں گھڑی ہوئی دکھائی نہیں دیتیں۔ ان کے کردار ہمیں اپنے معاشرے میں چاروں طرف چلتے پھرتے محسوس ہوتے ہیں۔ خود غرضی، ناانصافی، بے زاری اور سیاسی اور سماجی حالات کے سامنے بے بسی کی تصویر بنے انسان الطاف فاطمہ کے خاص موضوعات ہیں۔ الطاف فاطمہ کے افسانوں میں درد اور خلوص کی فضا شروع سے آخر تک چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ الطاف

کرداروں کی بول چال، اُن کے سماجی و ثقافتی منظر نامے اور کرداروں کی
سے متعین ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ الطاف فاطمہ کا ہر افسانہ اپنے اسلوب کی اسی صفت کے
باعث اپنی مثال آپ ہے۔

☆☆☆

افسانہ "کنڈیکٹر"

(از الطاف فاطمہ)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خط مستقیم	سیدھی لکیر	خدوخال	شکل وصورت
تمتماہٹ	تو تلا پن	کنگ ریڈر	قاعدہ یا درسی کتاب
بہی خواہ	بھلا چاہنے والا۔ خیر خواہ	سلواتیں سنانا	برا بھلا کہنا
تمتماہٹ	چہرے کی سرخی	اسرار	بھید یا راز
بادی النظر میں	بظاہر	فوقیت	برتری
ٹھیلیا	چھوٹا گھڑا	جلترنگ	ایک ساز گھنٹیوں کی سی آواز
خبیث	ناپاک۔ شریر	چاکری	خدمت
الکسی	کاہلی یا سستی	پاسباں	محافظ
کنکھیوں میں رکھتے	ترچھی نگاہوں سے دیکھتے	آبدیدہ ہونا	آنکھوں میں آنسو آجانا
ارتھی	ہندوؤں کا جنازہ	الغوزہ	ایک قسم کی بانسری
نور سحر	صبح کی روشنی	ہونق	احمق۔ بے وقوف
خناس	شیطان	مسوس مسوس کر	کان مروڑ کر
لحن	سریلی آواز	اکسائیٹڈ	پرجوش
مواج	تیز لہروں والا	نیم وا آنکھیں	آدھی کھلی ہوئی آنکھیں

USMAN NOTES www.usmannotes.com

نوٹ: اس سبق میں بہت سے الفاظ تو ملی زبان سے ادا ہوئے ہیں
اصل الفاظ سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ مثلاً اس شعر کو دیکھئے۔

ٹھیلوڈے ٹوڈو ڈے تو بنو ڈے نواب
پڑھوڈے لٹھوڈے تو ہوڈے ٹھراب

اصل شعر یوں ہے۔

کھیلو گے، کودو گے تو بنو گے نواب
پڑھو گے، لکھو گے تو ہو گے خراب

مرکزی خیال

وطن سے محبت اس افسانے کا مرکزی موضوع ہے۔ وطن سے محبت ایک فطری جذبہ ہے، جب تک یہ جذبہ اہل وطن کے دلوں میں زندہ رہتا ہے۔ وہ قوم ترقی اور خوشحالی کی منزلیں طے کرتی رہتی ہے اور اگر وطن کی محبت لوگوں کے دلوں سے اُٹھ جائے، تو وطن کے ساتھ ساتھ قوم بھی شکست اور زوال سے دوچار ہو جاتی ہے۔ الطاف فاطمہ کا کردار "لالو" ایک محبِ وطن شخص کی علامت ہے جو اپنے لئے کسی بڑی حیثیت اور مقام و مرتبے سے بے نیاز ہو کر ملک و قوم کی سلامتی اور ترقی کا آرزومند ہے۔

☆☆☆

AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

خلاصہ

الطاف فاطمہ کا خیال ہے کہ وطن کی محبت کا تعلق دل کے ساتھ ہوتا ہے، انسان کے معاشرتی رتبے، دولت اور اعلیٰ علمی صلاحیتوں کے ساتھ نہیں۔ لالو ایک ایسا لڑکا تھا جو شروع ہی سے تعلیم میں کمزور اور صورت سے احمق دکھائی دیتا۔ وہ بولنے میں تتلاہٹ کا بھی شکار تھا، جو کاف کو ٹاف اور گاف کو ڈاف کہتا تھا۔ امتحان سر پر آتے، تو اس کے بہن بھائی خوب دل لگا کر محنت کرتے لیکن لالو بے فکری کے ساتھ پتنگیں لوٹتا یا مرغ لڑاتا۔ اس کے نزدیک پڑھنا لکھنا بیکار تھا۔ وہ دوسروں کو بھی کہتا کہ تم پڑھ لکھ کر خراب ہو گے۔ لیکن جب دھیرے دھیرے تحریک

پاکستان نے گلیوں اور محلوں میں بھی سر اٹھانا شروع کر دیا، تو لالو کے ننھے سے دل میں بھی وطن کی آرزو نے گھر کر لیا۔ اب وہ سکول جانے کی بجائے مسلم لیگ کے جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونے لگا۔ ماسٹر صاحب کے نزدیک امتحان اہم تھا، لیکن لالو کے لئے اب پاکستان اہم تھا۔ یہ ایک ایسی بات تھی جس نے اُسے اُس کے دوستوں اور بہن بھائیوں میں ممتاز کر دیا تھا۔ پاکستان اور قائداعظم سے محبت کی جو شمع اس کے دل میں فروزاں تھی، اس کی روشنی کا عشر عشیر بھی ہم جولیوں کو میسر نہ تھا۔ لالو کو اپنی فتح کا جو یقین تھا، اس کے ہم عصر اس یقین اور اعتماد سے محروم تھے۔ 14 اگست 1947ء اس کے دوستوں کے لئے رٹا لگانے کی ایک نئی تاریخ تھی، جبکہ لالو کے لئے یہ صبح آزادی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد ایک بار اچانک ملاقات ہوئی تو پتا چلا کہ وہ کسی بس میں کنڈیکٹر لگا ہوا ہے۔ وہ پہلے ہی کی طرح وطن کی محبت سے سرشار تھا۔ اس نے بتایا یہ وطن بھی تو ایک بہت بڑی بس کی طرح ہے۔ اور ہم سب اس بس کے کنڈیکٹر ہیں ہمیں یہ خیال رکھنا چاہیے کہ بس ہمیشہ چلتی رہے۔ بعد میں پتا چلا کہ اس نے کالج میں تعلیم بھی حاصل کی اور ایک ٹیچر سے بیاہ کر کے گھر بھی بنا لیا۔ اس طرح لالو کی ترقی کا سفر جاری رہتا ہے۔

☆☆☆

مشقی سوالات اور ان کا حل

سوال 1: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب تحریر کریں۔

(i) الطاف فاطمہ کا افسانہ ''کنڈیکٹر'' ان کے کس افسانوی مجموعے سے لیا گیا ہے؟

جواب: افسانہ ''کنڈیکٹر'' الطاف فاطمہ کے افسانوی مجموعے ''جلترنگ'' سے لیا گیا ہے۔

(ii) افسانہ نگار نے لالو کی شخصیت کو کیسے نمایاں کیا ہے؟

جواب: لالو بظاہر نکما اور نالائق طالب علم تھا۔ زبان میں تو تلا پن تھا۔ لیکن اس کے دل میں ایک پراسرار سے جذبے نے جگہ بنالی تھی۔ یہ جذبہ وطن کی محبت کا تھا۔ وطن کی محبت کے اسی جذبے نے اسے دوسرے کرداروں سے نمایاں کر دیا۔

(iii) لالو اپنے بہن بھائیوں اور دوستوں سے مختلف کیوں تھا؟

جواب: لالو اپنے بہن بھائیوں اور دوستوں سے بہت مختلف تھا۔ وہ پڑھائی میں بہت کمزور تھا۔ اسکی زبان میں تتلاہٹ تھی اور وہ زندگی سے بے نیاز تھا۔ بظاہر احمق نظر آتا۔ پھر یہ کہ اسکی ذات میں ایک پراسراریت تھی۔ جو دوسروں میں نہیں تھی۔

(iv) لالو کا مذاق کیوں اڑایا جاتا تھا؟

جواب: لالو کی تعلیمی رفتار سست بلکہ مایوس کن تھی۔ اس کے خدوخال پر حماقت برستی تھی۔ اور وہ تتلا کر بولتا تھا۔ اس لئے اس کا مذاق اڑایا جاتا تھا۔

(v) پاکستان کہاں؟ اس سوال کا جواب لالو نے کیا دیا؟

جواب: پاکستان کہاں؟ اس سوال کے جواب میں لالو نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا اور بتایا کہ پاکستان میرے اندر موجود ہے۔

(vi) جلسے جلوسوں میں لالو کی شرکت پر ماسٹر صاحب لالو سے کیوں ناراض تھے؟

جواب: لالو پڑھائی میں کمزور تھا۔ پھر امتحان نزدیک تھے۔ اس لئے جلسے جلوسوں میں لالو کی شرکت پر ماسٹر صاحب اس سے ناراض تھے۔

(vii) قیام پاکستان کے بعد لالو نے پاکستان کو کیا قرار دیا؟

جواب: قیام پاکستان کے بعد لالو نے پاکستان کو ایک بس قرار دیا اور کہا کہ ہم سب اس کے کنڈیکٹر ہیں۔

(viii) آزادی کی صبح لالو کے دوستوں کے لئے کیا حیثیت رکھتی تھی؟

جواب: آزادی کی صبح لالو کے دوستوں کیلئے رٹا لگانے کی ایک نئی تاریخ تھی۔

سوال 2: لالو کے کردار پر ایک مختصر نوٹ تحریر کریں۔

جواب: <u>لالو کا کردار</u>

لالو ایک معمولی لڑکا تھا۔ جو شروع ہی سے تعلیم میں کمزور اور صورت سے احمق دکھائی دیتا تھا وہ بولنے میں تتلاہٹ کا بھی شکار تھا۔ امتحان سر پر آتے تو لالو بے فکری سے پتنگیں لوٹتا یا مرغ لڑاتا۔ اس کے نزدیک پڑھنا لکھنا بے کار تھا۔ لیکن جب تحریک پاکستان آہستہ آہستہ گلیوں اور محلوں میں پھیلنے لگی تو لالو کے دل میں بھی وطن کی آرزو نے گھر کرلیا۔ اب وہ سکول جانے کی بجائے مسلم لیگ کے

جلسوں اور جلوسوں میں شریک ہونے لگا۔ آخر آزادی کی صبح طلوع ہوئی۔ لالو بہت خوش تھا۔ قیام پاکستان کے بعد لالو کسی بس میں کنڈیکٹر لگ گیا۔ وہ کہا کرتا۔ پاکستان ایک بس کی طرح ہے اور ہم سب اس کے کنڈیکٹر ہیں۔

سوال 3: درج ذیل الفاظ پر اعراب لگا کر تلفظ واضح کریں۔

جواب:

الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب	الفاظ	اعراب
آمیزش	آمِیزَش	مقیم	مُقِیم	پُراَسرار	پُراَسرار
ترنگ	تَرَنگ	چہل قدمی	چہل قَدمی	قوس قزح	قَوسِ قُزَح

سوال 5: درج ذیل الفاظ کے معنی لغت سے دیکھ کر لکھیں۔

جواب:

خبیث	ناپاک۔شریر	الغوزہ	ایک قسم کی بانسری
چاکری	خدمت۔نوکری	بلکسی	کابلی یا سستی
فوقیت	برتری	کنکھیوں	آنکھوں کے کنارے
رَن	جنگ		

سوال 5: درج ذیل تراکیب کو اپنے جملوں میں استعمال کریں۔

زبان خلق۔نذرانہ عقیدت۔نور سحر۔خط مستقیم۔ردعمل

جواب:

مرکبات	جملوں میں استعمال
زبان خلق	زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔
نذرانہ عقیدت	تلاوت کے بعد افشاں نے بارگاہ رسالتؐ میں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔
نور سحر	آزادی کا نور سحر سب کیلئے خوشیاں لے کر آیا۔
خط مستقیم	روشنی ہمیشہ خط مستقیم میں سفر کرتی ہے۔
ردعمل	عالم اسلام میں گستاخانہ خاکوں کے خلاف شدید ردعمل ہوا۔

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

باب 4

شخصیت نگاری

(۱) مرزا فرحت اللہ بیگ

حالات زندگی

فرحت اللہ بیگ 15 اگست 1885ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام مرزا حشمت علی بیگ تھا۔ اُن کی والدہ اس وقت فوت ہوگئیں، جب وہ ابھی بچے تھے۔ ان کی پرورش اُن کی پھوپھی نے کی۔

تعلیم

وہ بچپن ہی سے ذہین اور محنتی طالب علم تھے۔ انہوں نے قرآن پاک اور چند فارسی کی کتابیں گھر پر حافظ قاسم رضا صاحب سے پڑھیں، پھر اسکول میں داخل ہوئے اور 1911ء میں میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی اسکول محلہ کشمیری دروازہ دہلی سے اول پوزیشن کے ساتھ پاس کیا اور نقرئی تمغا حاصل کیا۔ انٹرمیڈیٹ ہندو کالج کانپور بازار سے کیا اور پھر سینٹ اسٹیفنز کالج میں داخلہ لے لیا۔ اس کالج میں پہلے انہوں نے [illegible] اور سائنس پڑھنا شروع کی، مگر بعد میں اپنے دوست غلام یزدانی کے اصرار پر سائنس چھوڑ کر عربی پڑھنے لگے۔ عربی میں انہیں ڈاکٹر نذیر احمد کی شاگردی نصیب ہوئی اور اس شاگردی کی بنیاد پر انہوں نے ''نذیر احمد کی کہانی، کچھ میری اور کچھ اُن کی زبانی'' تخلیق کی، جو اردو ادب کے بہترین خاکوں میں سے ایک ہے۔

انہوں نے 1905ء میں بی اے پاس کیا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ پڑھائی کے ساتھ ساتھ کھیلوں سے بھی دلچسپی رکھتے تھے۔ کالج کے زمانے میں وہ کرکٹ ٹیم کے کپتان اور بہترین باؤلر تھے۔ فرحت اللہ بیگ کی گفت گو میں بھی خاصی شوخی اور ذہانت پائی جاتی تھی۔ کالج کے دنوں میں تقریری مقابلوں اور ڈراموں میں، اکثر حصہ لیتے تھے۔

1910ء میں انہوں نے جوڈیشل امتحان پاس کیا اور حیدرآباد دکن سے [illegible] سے وابستہ ہو گئے۔ 1929ء میں ہائی کورٹ کے رجسٹرار ہوئے۔ 18 مئی 1942ء میں ملازمت سے ریٹائر ہو گئے۔ وہ ایک قابل اور فرض شناس افسر تھے۔

وفات

26 اور 27 اپریل 1947ء کی درمیانی رات نیند کی حالت میں انتقال کر گئے اور حیدرآباد دکن میں سپرد خاک ہوئے۔

ادبی خدمات

مرزا فرحت اللہ بیگ نے لکھنے لکھانے کا کام زمانہ طالب علمی سے شروع کیا اور عمر کے آخری حصے تک تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ انہوں نے خاکے، طنزیہ اور مزاحیہ مضامین، تحقیقی اور تنقیدی مضامین اور ڈرامے وغیرہ لکھے۔ اُن کی مشہور تصانیف میں مضامین فرحت اللہ بیگ (سات جلدوں میں)، دیوان یقین، میری شاعری، نظیر اکبر آبادی، چار کہانیاں اور میری داستان (خودنوشت) شامل ہیں۔

اسلوب نگارش

مرزا فرحت اللہ بیگ کی گفت گو کی شوخی اُن کی تحریر میں بھی بہ درجہ اتم موجود ہے۔ اُن کی نثری تصانیف میں رومانویت، یاد ماضی، اخلاقیات اور طنز و مزاح جیسے عناصر پائے جاتے ہیں۔ اُن کی شاہکار تحریروں، دہلی کا یادگار مشاعرہ، پھول والوں کی سیر اور نذیر احمد کی کہانی وغیرہ میں رومانویت کا عنصر غالب ہے۔ یہ رومانویت اُن کی قوت بیں، سادہ انداز بیان، جذبات کی فراوانی اور تصویر کشی کی بدولت نمایاں ہے۔

فرحت اللہ بیگ اپنی تحریروں کے ذریعے قارئین کو اُن کی مذہبی اور تہذیبی اقدار یاد دلاتے ہیں۔ انہیں دہلی کے شب و روز نہیں بھولتے، لہٰذا وہ اپنی تحریروں میں وہاں کے حوالے بار بار لے آتے ہیں۔ دہلوی تہذیب و تمدن کے تمام رنگ اُن کی تصانیف میں جا بہ جا نہایت خوب صورتی کے ساتھ بکھرے پڑے ہیں۔ فرحت اللہ بیگ کی تحریر شگفتہ، چلبلی اور مزاح سے یوں عبارت ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی ایسا مقام آئے۔ جب قاری بوریت کا شکار ہو۔ ان کی تحریریں زندگی سے یوں بھرپور ہیں کہ اکثر اوقات قاری خود کو مضمون کے ماحول اور تصویر کا حصہ محسوس کرتا ہے۔

☆☆☆☆

سبق۔ ''ایک وصیت کی تعمیل''

(از مرزا فرحت اللہ بیگ)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
خالی ڈھنڈار	خالی اور ویران مکان	اونٹتے رہے	غصے میں جلتے رہے
مطبع	چھاپہ خانہ	چل چلاؤ	مراد موت، انتقال
یورش	یلغار، حملہ	بے نقط	کھری کھری
وحشت زدہ	خوف زدہ	اطلس	ایک قسم کا ریشمی کپڑا
اڑوا لگانا	ٹیک لگانا	آشفتہ حال	پریشان حال
منڈوا	تماشا گاہ	ارزانی	سستا ہونا
کنج قفس	قید خانے کی تنہائی	قفس	پنجرہ
زمزمہ سنجی	گیت گانا	سرگرداں ہونا	بہت سفر کرنا
رکاکت	اخلاق سے گری ہوئی بات	زود فہمی	معاملے کو جلد سمجھ لینا
غیر مطبوعہ کلام	ایسا کلام جو چھپا نہ ہو	ارباب حل وعقد	انتظام کرنے والے لوگ
فوجداری	مقدمہ	غپیں	گپیں، باتیں
شاکی	شک کرنے والا	اسپیچ	تقریر
قفل	تالا	دسترس	عبور۔ مہارت

خلاصہ سبق ''ایک وصیت کی تعمیل''

ایک وصیت کی تعمیل، مرزا فرحت اللہ بیگ کا لکھا ہوا مضمون ہے۔ اس میں انہوں نے عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن کے اردو کے مشہور و معروف استاد مولوی وحید الدین سلیم کا

خاکہ نہایت دلچسپ پیرائے میں بیان کیا ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ وہ کافی عرصے سے حیدرآباد میں تھے، مگر انہیں مولوی وحیدالدین سلیم سے ملنے کا اتفاق اُن کی زندگی کے آخری دنوں میں ہوا۔ اُن سے پہلی ملاقات حیدرآباد کے اسٹیشن پر اُس وقت ہوئی، جب وہ اور مصنف مولوی عبدالحق کی دعوت پر اورنگ آباد جا رہے تھے۔ وہیں مولوی وحیدالدین نے ڈپٹی نذیر احمد کی قسمت پر رشک کرتے ہوئے کہا کہ کاش اُن کا بھی کوئی شاگرد مصنف جیسا ہوتا، جو اُن کی وفات کے بعد اُن پر مضمون لکھتا۔ یہ سُن کر مصنف نے ایسا کرنے کا وعدہ کر لیا، بشرطے کہ مولوی صاحب مر کے دکھائیں۔

مولوی صاحب ایک سال کے اندر ہی وفات پا گئے اور مصنف نے اُن کی وصیت کی تعمیل میں یہ مضمون لکھا۔ اسٹیشن پر ملاقات کے بعد مصنف ریل کے سفر کا حال بیان کرتے ہیں۔ جب مولوی صاحب مسلسل بولتے رہے۔ انہوں نے اپنے حالاتِ زندگی بتائے، علمی کارنامے بیان کیے، شعر و شاعری کی دوسروں کی برائیاں کیں اور یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ اسی دوران انہوں نے مصنف کو مشورہ دیا کہ وہ شاعری کے جوہر کو ضائع نہ ہونے دے۔

مصنف کے کہنے کے مطابق مولوی صاحب کے اندر ظرافت کا مادہ تھا، تاہم زمانے کی ٹھوکریں کھا کر اُن کے لہجے میں کچھ تلخی آ گئی تھی۔ شاید اسی وجہ سے کوئی بھی دل خود پر اُن کو پسند نہیں کرتا تھا۔ مصنف کہتے ہیں کہ جب بھی گفتگو کے دوران بڑے لوگوں کا ذکر آیا تو کہنے لگے کہ وہ گدھے ہیں۔ یوں بے غلط سُنا کر وہ اپنے دل کو تسلی کر لیتے تھے۔ زمانے کی ٹھوکروں نے مولوی صاحب کو کنجوس بھی بنا دیا تھا۔ وہ جتنا کماتے، اس میں سے بہت ہی کم خرچ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ مرے تو بہت سی جمع پونجی دوسروں کے کام آئی۔

مصنف کہتے ہیں کہ اگلے دن دو بجے وہ سب لوگ اورنگ آباد پہنچ گئے، تاہم راستے بھر کی بے آرامی کی بہ دولت مولوی صاحب کو بخار ہو گیا۔ دوسرے دن طبیعت خراب ہونے کے باوجود انہوں نے خوب بن سنور کر اپنا لیکچر دیا۔ مولوی صاحب کے طرزِ ادا نے سماں باندھ دیا۔ ان کے پڑھنے کے انداز میں بہت روانی تھی۔ دو ہزار کا مجمع تھا تقریر نہیں ایک برقی رو تھی کہ دل و دماغ پر اثر کر رہی تھی کچھ یہی وجہ ہے کہ سرسید مرحوم اپنے آخری زمانے میں اپنے اکثر لیکچر انہی سے پڑھوایا کرتے تھے۔ مصنف نے اورنگ آباد میں پیش آنے والا ایک دلچسپ

واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ جس کے نتیجے میں لوگوں نے مولوی وحیدالدین سے یہ پوچھنا شروع کر دیا کہ کیا مولوی کریم الدین آپ کے والد تھے؟ اس پر مولوی صاحب بہت بپھرے اور انہوں نے اسے مرزا فرحت اللہ کی شرارت جانا۔

مولوی صاحب ایک بڑے سے گھر میں اکیلے رہتے تھے۔ گھر میں سامان بھی کم رکھا تھا۔ چائے پینا اور دوسروں کو پلانا اُن کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ کھانے کے بارے میں پوچھو، تو مولوی صاحب کہتے "نہیں بھئی! میں نے تو مدتوں سے کھانا چھوڑ دیا ہے، صرف چائے پر گزران ہے"۔ تاہم مصنف کے بقول مولوی صاحب کھاتے تھے اور خوب کھاتے تھے۔ ہاں! یہ اور بات ہے کہ گھر کا پکا نہیں کھاتے تھے۔ شکر خورے تھے اور یار، دوست، شاگرد وغیرہ اُن کو مٹھائی لا کر پیش کرتے رہتے۔ مولوی صاحب گھر کے بیشتر کام خود کرتے تھے۔ ان میں سے ایک اپنی بان کی چارپائی کی ادوان کھینچنا تھا جسے وہ ایسا کھینچتے کہ ہاتھ مارو، تو طبلے کی آواز آئے۔ مصنف کے مطابق مولوی صاحب کو اصطلاحات بنانے میں خوب مہارت حاصل تھی۔ اس وقت سب کی یہی رائے تھی کہ اصطلاحات بنانے میں مولوی وحیدالدین اپنا جواب نہیں رکھتے۔ مولوی صاحب کی وفات کو مصنف اردو زبان کا ایک ستون گر جانے کے مترادف سمجھتے ہیں اور ان کے مطابق اُن کے بعد اُن جیسا پروفیسر ملنا ناممکن ہے۔

☆☆

AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلئے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلئے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com

(۲) چراغ حسن حسرت

حالات زندگی

چراغ حسن حسرت 1904ء میں کشمیر کے ایک چھوٹے سے گاؤں بمیار میں پیدا ہوئے، جو بارہ مولہ کے قریب واقع ہے۔ چراغ حسن حسرت کو ان کے نانا حسن علی نے گود لے لیا اور کچھ عرصے بعد پونچھ کی طرف ہجرت کر گئے۔

تعلیم

حسرت نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے نانا حسن علی کے دامن شفقت میں رہ کر حاصل کی۔ گھر میں فارسی کی بنیادی تعلیم حاصل کی اور پھر اسکول میں داخل ہوئے، جہاں انگریزی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ پونچھ کے اسلامیہ اسکول میں انہوں نے نویں تک اور وکٹوریہ جوبلی اسٹیٹ ہائی اسکول سے میٹرک کی تعلیم حاصل کی۔ والدہ کی وفات کے وجہ سے حسرت کو میٹرک پاس کرنے سے پہلے ہی تدریس شروع کرنا پڑی۔ میٹرک کے بعد وہ منشی فاضل کے امتحان میں شریک ہوئے۔

ملازمت

حسرت طالب علمی کے زمانے ہی سے شعر و شاعری سے رغبت رکھتے تھے۔ انہیں پہلی ملازمت اسلامیہ انگریزی مڈل اسکول میں اورینٹل ٹیچر کی حیثیت سے ملی۔ اس کے بعد شملہ میں انہیں بشپ کاٹن اسکول میں فارسی اور اردو کے استاد کی حیثیت سے نوکری ملی۔ 1925ء میں کلکتے میں جا کر صحافت کی وادی میں قدم رکھا۔

صحافتی خدمات

کلکتے میں انہوں نے ایک مقامی اخبار ''نئی دنیا'' میں ''کولمبس'' کے قلمی نام سے

''کلکتہ کی باتیں'' کے عنوان سے کالم لکھنا شروع کیا۔ جس کی تعریف مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اخبار نویسوں نے کی۔ 1926ء میں انہوں نے ایک ادبی رسالہ ''آفتاب'' کے نام سے جاری کیا، جو دو سال تک بڑی آب و تاب کے ساتھ جاری رہا۔ وہ ''عصر جدید اور ''جمہور'' سے بھی وابستہ رہے۔

1929ء میں وہ لاہور چلے آئے۔ اور اردو روزناموں ''زمیندار، احسان، شہباز'' کے علاوہ کچھ دوسرے اخبارات کے لئے کام کیا۔ 1940ء میں حسرت آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت کے سلسلے میں دلی چلے گئے۔ ریڈیو سے فارغ ہونے کے بعد حسرت کچھ عرصہ کیلئے سنگاپور چلے گئے اور وہاں فوجی اخبار ''جوان'' کی ادارت کرتے رہے۔ 1947ء میں واپس لاہور آ کر ''امروز'' کی ادارت سنبھالی۔

وفات

26 جون 1955ء کو اتوار کے دن چراغ حسن حسرت دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔

تصانیف

حسرت کی مطبوعہ تصانیف میں، مردم دیدہ بغداد، عرب اور کرنل لارنس، سرگزشت اسلام، حیات اقبال، جدید جغرافیہ پنجاب، کشمیر، قائداعظم اور کچھ دوسری کتب شامل ہیں۔

اسلوب نگارش

چراغ حسن حسرت بامحاورہ اور بہت دل آویز اُردو لکھنے والوں میں سے ایک تھے۔ اگرچہ چراغ حسن حسرت معاشی ضروریات کے تحت صحافت کی دنیا میں چلے گئے، پھر بھی وہ بنیادی طور پر ادیب تھے اور اُن کا ادبی تخلیقی رنگ اُن کی صحافتی تحریروں میں بھی جھلکتا ہے۔ ان تحریروں کا استدلال اور معلومات سے بھرپور ہونا صحافتی، جب کہ زبان کی شائستگی، تخلیقی جدت، طنزیہ عنصر اور فکشن کی آمیزش ادبی اسلوب کا مظہر ہیں۔ انہوں نے صحافت نگاری، شوخ نگاری، خاکہ نگاری اور ظرافت نگاری جیسے اسالیب کو اپنی ادبی و صحافتی تحریروں میں استعمال کیا۔ چراغ حسن حسرت کی زبان سادہ، عام فہم اور رواں دواں ہے۔

☆☆☆

سبق۔ "علامہ اقبال"

(از چراغ حسن حسرت)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
حاجب	دربان، چوب دار	سیلی ہوئی	نمدار، نمی والی
غرق عرق ہونا	پانی پانی ہو جانا، بہت زیادہ پسینہ آنا	گھٹنا	گھٹنوں تک پاجامہ جو جانگھیے سے بڑا ہوتا ہے
حسن و قبح	اچھائی اور برائی، خوبی اور بدصورتی	مگدر	وہ ڈنڈا جو ورزش کیلئے ہاتھوں سے ہلاتے ہیں
گداز	نرم	نازک اندام	چھریرے بدن کا، نازک جسم والا

خلاصہ سبق "علامہ اقبال"

یہ چراغ حسن حسرت کا لکھا ہوا مضمون ہے۔ جس میں انہوں نے علامہ اقبال کی شخصیت سے متعلق اپنی یادوں اور اپنے تاثرات کو عام فہم اور رواں انداز میں بیان کیا ہے۔ علامہ اقبال میکلوڈ روڈ پر ایک پرانی کوٹھی میں رہائش پذیر تھے، یہیں 1930ء میں مصنف کو ان کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ کوٹھی بڑی تھی، لیکن پلستر اکھڑا ہوا اور چھتیں ٹوٹی پھوٹی تھیں۔ صحن میں ایک چارپائی پر کرتا پہنے، تہ بند باندھے علامہ اقبال بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ چارپائی کے پاس کچھ کرسیاں تھیں، جن پر دو تین آدمی بیٹھے تھے۔ مصنف اور ان کے دوست جب وہاں گئے تو سورج غروب ہو رہا تھا مگر اٹھے تو اچھی خاصی رات ہو گئی تھی۔ مصنف جو لاہور میں سوا سال سے رہ رہے تھے، کہیں کم ہی آتے جاتے تھے۔ اقبالؒ کے ہاں تو جیسے انہیں ایک اور ٹھکانہ مل گیا۔ ویسے بھی علامہ اقبال کے گھر کے دروازے غریب امیر،

چھوٹے بڑے سب کے لئے کھلے تھے۔ ان سے ملنے آنے والوں میں کچھ دروازہ کے آنے والے تھے، کچھ دوسرے تیسرے اور کچھ ساتویں آٹھویں آتے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے تھے، جو عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ہی مل پائے۔ باہر سے لاہور آنے والوں میں سے اکثر لوگ علامہ اقبالؒ کو دیکھنے ضرور آتے۔ کچھ تو ان کے نام کے ساتھ "ڈاکٹر" دیکھ کر علاج کرانے بھی چلے آتے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے، جنہیں علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوئی، کیونکہ ان کے خیال میں عام لوگوں کی علامہ اقبال تک رسائی کہاں؟

علامہ اقبال بہت سادگی پسند تھے۔ گھر میں ہوتے، تو تہ بند اور کُرتے میں نظر آتے۔ کھانا کم کھاتے تھے، مگر جو کھاتے اچھا کھاتے تھے۔ پھلوں میں آم بہت شوق سے کھاتے۔ جوانی میں وہ صبح اُٹھ کر تلاوت قرآن پاک کرتے اور پھر ورزش بھی کرتے۔ بڑھاپے میں ورزش تو چھوٹ گئی، مگر تلاوت جاری رہی۔ علامہ اقبال مشاعروں کو ناپسند کرتے تھے۔ ان کی طبیعت میں ظرافت بہت تھی۔ ہر روز ان کی گفتگو سے کئی لطیفے نکل آتے تھے۔

علامہ اقبال اپنی زندگی کے کچھ معاملات میں خاص ضابطوں کے پابند تھے، مثلاً وہ باقاعدگی سے گھر کا حساب کتاب رکھتے اور کسی شخص کے خط کا جواب دینا نہ بھولتے تھے۔ شعر کہنے میں بلا کی آمد تھی کہ ایک ہی نشست میں دو دو سو شعر کہہ دیتے۔ سچے عاشق رسولؐ تھے۔ حضورؐ کا نام لیتے وقت ان کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔ اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے بھی بے اختیار رو پڑتے۔ ان کی بیگم صاحبہ کا انتقال ہوا، تو ان کی طبیعت بگڑتی گئی اور 21 اپریل 1938ء کو انتقال کیا۔

☆☆☆

www.joheraiou.com
YouTube Joher Videos
AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

(۳) فارغ بخاری

حالات زندگی

فارغ بخاری 13 اپریل 1915ء کو پشاور شہر میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول پشاور سے حاصل کی اور ملازمت کی غرض سے کلکتہ اور برما روانہ ہو گئے۔ 1935ء کو پشاور واپسی ہوئی، تو رضا ہمدانی سے مل کر ادبی شعر و سخن برپا کرنے کے ساتھ مختلف ادبی تنظیموں کو فعال کیا اور صوبہ سرحد کے ادب کے حوالے سے تحقیقی کام کا سلسلہ شروع کیا۔

صحافتی خدمات

"کیسر کیاری، المشرقی، البلاغ، انجام، نغمۂ حیات، مصور شباب اور سنگ میل" جیسے رسائل میں صحافتی خدمات انجام دیں۔ اپنے صحافتی اور ادبی سفر میں فارغ بخاری نے قید و بند اور جلاوطنی کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ 1950ء میں پنجاب یونیورسٹی سے پشتو فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کیے۔

ادبی خدمات

فارغ بخاری ایک ہمہ جہت ادبی شخصیت تھے۔ اپنی ادبی زندگی میں فارغ بخاری نے متعدد رسائل و جرائد میں ادارت کی خدمات سرانجام دینے کے ساتھ ساتھ رضا ہمدانی کے ہمراہ پشتو اور ہندکو ادبیات کے حوالے سے تحقیقی کاوشیں بھی کیں۔ 1939ء میں فارغ بخاری کے مقالے کو بہترین مقالہ قرار دیتے ہوئے ایوارڈ بھی دیا گیا۔ انہوں نے افسانے بھی لکھے اور شاعری بھی کی۔ خاکے بھی لکھے اور خودنوشت بھی تحریر کی۔

وفات

14 اپریل 1997ء کو پشاور میں اردو ادب کی یہ ہمہ جہت ادبی شخصیت ہم سے

رکھت ہوتی۔

تصانیف

فارغ بخاری نے تحقیق، شاعری اور ادبی موضوعات پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، ان میں عورت کا گناہ (افسانے) آیات زندگی، پشتو لوک گیت (تحقیق) زیرو بم (شاعری) ادبیات سرحد (تحقیق) نویاں راہواں (ہندکو انتخاب) شیشے کے پیراہن (شاعری) خوشبو کا سفر (شاعری) البم، دوسرا البم (خاکے) غزلیہ (شاعری) پیاسے ہاتھ (شاعری) آئینے صداؤں کے (شاعری) محبتوں کے صنم خانے (شاعری) بے چہرہ سوال (شاعری) لوح غیر محفوظ (رپورتاژ) مسافتیں (خودنوشت) پشتو ادب کی تاریخ (تحقیق) ہندکو ادب (تحقیق) رحمان بابا، اٹک کے اس پار (تحقیق) جیسی تصانیف شامل ہیں۔

☆☆☆

سبق۔ "ان داتا"

(از فارغ بخاری)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
جودت طبع	طبیعت کی تیزی	ممیز کرنا	فرق کرنا
ہم جلیسی	ہم نشینی، پاس بیٹھنا	ان داتا	روٹی دینے والا، آقا، مالک
ماسٹر پیس	شاہ کار	پچی	حساس
زیرک	عقل مند، دانا	سوانگ	بہروپ
وقیع	باوقار	عتاب	غصہ۔ غضب
عرق عرق ہو جانا	بہت پسینہ آنا	چیخوف	روسی ادب کا معروف افسانہ نگار
رقیق القلب	نرم دل	زہر خند	ہنسی جو غصے یا شرمندگی سے ہو

کیو	قطار	کاوڈی	بے ہودہ، بے ہنگم
چار دانگ عالم	دنیا کی چاروں اطراف	معاصرین	ایک ہی دور کے لوگ
مخیّر	خیرات کرنے والا، سخی	پراگندہ طبع	پریشان حال

خلاصہ سبق ''ان داتا''

''ان داتا'' فارغ بخاری کا لکھا ہوا مضمون ہے۔ جس میں مصنف نے اردو ادب کے عظیم افسانہ نگار کرشن چندر کی شخصیت اور فن کے بارے میں نہایت پر اثر انداز میں بیان کیا ہے۔ مصنف کو کرشن چندر کے قلمی خاکے کے عنوان کے انتخاب میں جس مشکل کا سامنا کرنا پڑا، اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا خاکہ لکھتے ہوئے کوئی عنوان ہی نہیں ملتا، مگر کرشن چندر کے خاکے کے عنوان کے لئے اس لئے مشکل پیش آتی ہے کہ بہت زیادہ عنوان موزوں نظر آتے ہیں، جن میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا آسان نہیں رہتا۔ مصنف نے ''دیوتا'' اور ''اُردو افسانے کا شہنشاہ'' سمیت کئی نامو[illegible] پر غور کیا اور آخر میں کرشن چندر کے یک افسانے کے عنوان کو ہی اپنے خاکے کا عنوان بنا دیا۔ ''ان داتا''

مصنف کہتے ہیں کہ کرشن چندر بہ حیثیت افسانہ نگار بہت بڑا، دور گیر، وسیع النظر اور عظیم دانشور تھے، بہ حیثیت انسان اتنے ہی عاجز اور معصوم فطرت انسان تھے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوشی سے ناچنے لگتے تھے۔ کرشن چندر منٹو کے بعد اردو کے سب سے بڑے افسانہ نگار تھے اور انہیں اردو کا چیخوف کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ مصنف کے مطابق وہ قلم کو استعمال عبادت سمجھ کر کرتے رہے۔ اُن کی نثر کی تعریف کرتے ہوئے مصنف کہتے ہیں کہ ان کی نثر پر شاعری کا گمان ہوتا ہے۔

کرشن چندر رنگ و نسل اور دین دھرم کی قیود سے نکل کر انسانیت پرستی کے جذبات کا پرچار کرتے ہیں۔ مصنف اپنے تعلق کے حوالے سے کہتے ہیں کہ کرشن چندر کے ساتھ ان کی سرسری ملاقاتیں اور کچھ خط و کتابت تھی۔ مصنف اپنے ادبی جریدے ''سنگ میل'' کے لئے افسانے کا تقاضا بھی کرتے رہے، مگر وہ مسلسل معذرت خواہانہ جواب ارسال کرتے رہے۔ پھر جب مصنف نے افسانہ طلب کرنا چھوڑ دیا، تو ایک دن اچانک انہوں نے ایک تازہ افسانہ

ارسال کر دیا اور ساتھ ہی خط بھی لکھا، جس میں ان کی ناراضی کو بجا کہا۔ شروع میں وہ اپنا نام کرشن چندر ایم اے لکھتے تھے، جس پر مصنف نے انہیں مشورہ دیا کہ اپنے نام کے ساتھ ایم اے لکھنا چھوڑ دیں، کیونکہ یہ ڈگریاں چھوٹی اور کرشن چندر کی شخصیت بڑی تھی۔ تاہم اس خط کے بعد بھی کافی عرصہ وہ نام کے ساتھ ایم اے لکھتے رہے اور پھر کہیں جا کر اسے ترک کر دیا۔

کرشن چندر چوں کہ طبعاً ظرافت پسند تھے، لہٰذا انہوں نے لکھنے کی ابتدا طنزیہ اور مزاحیہ مضامین ہی سے کی۔ "گدھے کی سرگزشت اور گدھے کی واپسی" بھی اسی شوق کو پورا کرنے کے لئے لکھے۔ مشہور مزاح نگار احمد جمال پاشا نے ان پر کڑی تنقید کرتے ہوئے، گدھے کا خط کرشن چندر کے نام لکھا، مگر وہ اس پر ناراض نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ انہوں نے ایک دوست جس کا نام پرویز شاہین تھا کو شرارت سے شاہد پرویزی لکھ دیا۔ جب وہ ناراض ہوئے تو کہنے لگے، بھئی غلطی ہو گئی معاف کر دیا پھر مجھے چرشن کندر کہہ دو۔ ان کے ہم عصر افسانہ نگار اوپندر ناتھ اشک بھی ان سے ناراض ہو جاتے تو وہ انہیں بھی بہت عاجزی کے ساتھ منا لیتے۔

کرشن چندر عوام میں بہت مقبول تھے۔ ان کی کتابیں ہاتھوں ہاتھ بک جاتیں۔ رائلٹی سے لاکھوں کی کمائی کی، لیکن اپنے لیے ایک ذاتی مکان تک نہ بنا سکے۔ دوست نوازی اور غریب پروری خوب کی۔ وہ اپنے بارے میں کہتے ہیں کہ میں نے صرف خواب دیکھے۔ انسانوں کی برابری کا خواب، علم کے خاتمے کا خواب اور انسانوں کے اخلاص کا خواب۔ یہ خواب جھوٹے رہے، مگر یہ خواب کرشن چندر کو بہت عزیز تھے۔ فنکار کے لئے اچھا انسان ہونا ضروری ہے اور کرشن چندر عظیم فنکار ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم انسان بھی تھے۔

☆☆☆

مشقی سوالات کا حل

سوال 1: خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ ..... کا ہے تقاضا کہ لکھو جلد لکھو۔ (دوستوں)

2۔ یہاں اہل کمال ہمیشہ ..... رہے ہیں۔ (آشفتہ حال)

3۔ آگے ناتھ نہ پیچھے ..... (پگا)

4۔ بان صاف اور چمک دار ہو کر کالی ..... ہو گیا تھا۔ (اطلس)

(ملک)
5۔ مولوی صاحب کو اصطلاحات وضع کرنے کا خاص ..... تھا۔ (ستون)
6۔ مولوی صاحب کیا مرے زبان اردو کا ایک ..... گر گیا۔ (محسن)
7۔ کرشن مہاراج ..... چاہتے تھے۔ (بھلا)
8۔ پارٹ ایک کے بعد ڈاکٹروں نے ..... بند کر دیا۔ (فنکار)
9۔ ہر تخلیق کار، ہر تعمیر کار ہمارے نزدیک ..... ۔ (شرافت)
10۔ کرشن چندر کی طبیعت میں ..... کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (فنکار)
11۔ فن کار کو محض ..... ہونا کافی نہیں۔ (پراگندہ طبع)
12۔ ملتے کہاں ہیں ایسے ..... لوگ۔ (ڈاکٹر اقبال)
13۔ لاہور آ کر ..... کو نہ دیکھا تو کیا دیکھا۔ (سیدگی سادی)
14۔ علامہ اقبال بہت ..... زندگی بسر کرتے تھے۔ (پنجابیوں)
15۔ ولایت جانے سے پہلے ..... کا عام لباس پہنتے تھے۔ (اچھا)
16۔ وہ کھانا کم کھاتے مگر ہمیشہ ..... کھاتے تھے۔ (مرغوب)
17۔ پلاؤ اور کباب انہیں بہت ..... تھے (آم)
18۔ پھلوں میں صرف ..... سے رغبت تھی۔ (مشاعروں)
19۔ اردو شاعری کو ان ..... نے کھویا۔ (علی بخش)
20۔ ..... ان کا پرانا نوکر تھا۔

سوال 2: مختصر جواب دیں۔

1۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی چار تصانیف کے نام لکھیں۔

جواب: (1) مضامین فرحت اللہ بیگ (2) دیوان یقین (3) میری شاعری (4) میری داستان

2۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی تحریروں کا خاص وصف کیا ہے؟

جواب: مرزا فرحت اللہ بیگ کی تحریروں کا خاص وصف ان کی شوخی، رومانویت یاد ماضی اور طنز و مزاح ہے۔ دہلوی تہذیب و تمدن کے حوالے ان کی تحریروں میں بار بار آتے ہیں۔

3۔ فرحت اللہ بیگ پہلی بار مولوی صاحب سے کہاں ملے؟

جواب: فرحت اللہ بیگ پہلی بار مولوی صاحب سے حیدر آباد دکن کے ریلوے اسٹیشن پر

لے جبکہ وہ لوگ آباد جا رہے تھے۔

4۔ مولوی وحید الدین سلیم کا سراپا تحریر کریں۔

جواب: متوسط قد، بھاری کھلیا بدن، بڑی بڑی آنکھیں، کالی سیاہ گھنی مونچھیں، سفید چھوٹی چھوٹی داڑھی، چھوٹی چھوٹی کرتی آنکھیں، خرمی سفید پاجامہ، کھی رنگ کے شیروانی سر پر ململ کی پگڑی کی لپٹی، پاؤں میں نلیں اور انگریزی جوتا تھے مولوی وحید الدین سلیم۔

5۔ مصنف نے اس مضمون کا کیا عنوان رکھا ہے؟

جواب: مصنف نے اس مضمون کا نام "افسانے کا بادشاہ" اور کرشن چندر کو افسانے کا شہنشاہ قرار دیا تھا۔

6۔ کرشن چندر کے خاکے کا نام "ان داتا" کیوں رکھا گیا؟

جواب: مصنف کو کسی غیبی آواز نے بتایا کہ کرشن چندر کی روح تھی خاکے کا نام "ان داتا" سجھایا۔ یہ کرشن چندر کے ایک افسانے کا نام بھی تھا۔ اس نام کے انتخاب پر مصنف خوشی سے جھوم اٹھا کیونکہ کرشن چندر کی شخصیت کے سارے حروں کا عکس "ان داتا" میں اپنی تمام تر رعنائیوں اور اپنی تمام تر دلکشی، انکساری اور عظمتوں کے ساتھ جھلک رہا تھا۔

7۔ نوجوان کا افسانہ پڑھنے پر کرشن چندر کا کیا ردعمل تھا؟

جواب: کرشن چندر نے نوجوان کا افسانہ پڑھ کر اسے مشورہ دیا کہ وہ صرف افسانے پڑھا کرے کیونکہ مٹھائی کی طرح ان کا بنانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔

8۔ سنگ میل کے سرحد نمبر کے بارے میں کرشن چندر کی کیا رائے تھی؟

جواب: سنگ میل کے سرحد نمبر کے بارے میں کرشن چندر نے لکھا "سنگ میل کے سرحد نمبر نے مجھے اور میرے تمام ساتھیوں کو چونکا دیا ہے۔ تمہاری کاوشوں کی محض داد دینا کافی نہیں۔ یہ نمبر بلاشبہ شمال مغربی صوبہ سرحد کا افسانگار پیدا کیا ہے۔ جس میں اس خطے کی زندگی کا ہر پہلو پوری طرح ابھر کر سامنے آیا ہے۔ مجھے اس وقیع نمبر میں شامل نہ ہونے کی محرومی کا ہمیشہ احساس رہے گا"۔

9۔ چراغ حسن حسرت نے علامہ اقبال کی کوٹھی کا نقشہ کس انداز میں کھینچا ہے؟

جواب: چراغ حسن حسرت نے علامہ اقبال کی کوٹھی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے کوٹھی کیا تھی کوئی کھلونا۔ ایک طرف سڑک پر جانے کے لئے پھاٹک تھا۔ پھاٹک سے کچھ فاصلے پر کوٹھی تھی۔ کوٹھی کی دیواریں کسی ہوئی، پاتر جگہ جگہ سے اکڑا ہوا۔ چھتیں کوئی چھوٹی سطح مرتفع کی طرح تھیں۔ کچھ حصے اپنی جگہ سے اس طرح سرکی ہوئی تھیں کہ ہوا کے جھونکے کے ساتھ آدھے کا اندیشہ تھا۔ مرمت کا امکان نہ تھا۔ بہرحال مالک کے لئے ماہوار کرایہ کے علاوہ بھی کچھ خرچ کرنا ضروری تھا۔"

10۔ علامہ اقبال کی محفل میں کن موضوعات پر گفتگو ہوتی؟

جواب: علامہ اقبال کی محفل میں ہر قسم کے موضوعات چھڑتے۔ ادب، شاعری، سیاست، مذہب وغیرہ پر گفتگو ہوتی۔

11۔ علامہ اقبال کے ملنے والوں میں کس قسم کے لوگ شامل تھے؟

جواب: علامہ اقبال کے ملنے والوں میں کچھ وہ تھے جو آنے والے تھے۔ کچھ دوسرے تیسرے اور کچھ ساتویں آٹھویں آتے تھے۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جنہیں مہینے میں صرف ایک آدھ مرتبہ ان سے ملنے کا موقع ملا۔ کوئی ملاقات کرنے آتا۔ کوئی کسی شعر کے معنی پوچھنے کیلئے اور کوئی سیاسیات یا مذہب کے بارے گفتگو کرتا۔ کچھ ایسے بھی تھے جو ان کے نام کے ساتھ لفظ ڈاکٹر لگا دیکھ کر ان سے علاج کرانے آجاتے تھے۔

12۔ علامہ اقبال کس قسم کا لباس پہنتے تھے؟

جواب: علامہ اقبال گھر پر ہوتے تو بیشتر تہمد اور کرتہ پہنتے۔ البتہ باہر جاتے تو کبھی کوٹ پتلون پہن لیتے تھے۔ کبھی فراک کوٹ کے ساتھ شلوار اور ترکی ٹوپی ہوتی تھی۔ وہ ولایت جانے سے پہلے کبھی شیروانی کے ساتھ فراک کوٹ اور شلوار اور کبھی سفید ململ کی پگڑی بھی پہنتے۔ اس کے علاوہ شیروانی اور چست گھٹنا بھی پہنتے رہے ہیں مگر بہت کم۔

13۔ کھانے میں علامہ اقبال کو کیا پسند تھا؟

جواب: کھانے میں علامہ اقبال کو پلاؤ اور کباب بہت مرغوب تھے۔ شب دیگ بھی بہت

پسند تھی۔ پھلوں میں صرف آم پسند تھے۔

14۔ اردو شاعروں کے بارے میں علامہ اقبال کی کیا رائے تھی؟

جواب: علامہ اقبال کی رائے یہ تھی کہ اردو شاعروں نے اردو شاعری کو عارت کر ڈالا کیونکہ شاعروں میں برے بھلے سب شریک ہوتے ہیں اور داد کو شعر کے حسن و قبح کا معیار سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو شاعری نے عوام کے مذاق کو اپنا رہنما بنا لیا۔

15۔ علی بخش کی مونچھوں کے بارے میں علامہ اقبال نے کیا فرمایا؟

جواب: علی بخش کی مونچھوں کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا کہ ان کا رنگ نہ اگرئی ہے نہ خاکستری، یہ کچی کچھی۔

16۔ رسول اکرم ﷺ کا نام لیتے وقت علامہ اقبال کی کیا حالت ہوتی تھی؟

جواب: رسول اکرم ﷺ کا نام لیتے وقت علامہ اقبال کی آنکھیں پرنم ہو جاتی تھیں۔

سوال 3: درج ذیل فقرات میں صحیح اور غلط کی نشاندہی کریں۔

1۔ مولوی وحید الدین سلیم بہت فضول خرچ تھے۔ (غلط)

2۔ مولوی سلیم کو مٹھاس کا بڑا شوق تھا۔ (درست)

3۔ منٹو نے احمد ندیم قاسمی کو اردو افسانے کا شہنشاہ لکھا ہے۔ (غلط)

4۔ کرشن چندر کی مثال افسانوی ادب میں تاج محل تخلیق کرنے والے فن کار کی ہے۔ (درست)

5۔ کرشن چندر منٹو کے بعد اردو کا سب سے بڑا افسانہ نگار ہے۔ (درست)

6۔ کرشن چندر نے "سنگ میل" رسالے کے لئے کئی افسانے بھیجے۔ (غلط)

7۔ کرشن چندر کی طبیعت میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ (درست)

8۔ علی بخش علامہ اقبال کا پرانا نوکر تھا۔ (درست)

9۔ علامہ اقبال کسی کے خط کا جواب نہ دیتے تھے۔ (غلط)

☆☆☆☆

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

باب 5

طنز و مزاح

(۱) پطرس بخاری

حالات زندگی

اردو زبان و ادب میں پطرس بخاری کے نام سے پہچانے جانے والے اس عظیم مزاح نگار کا اصل نام سید احمد شاہ بخاری تھا۔ وہ یکم اکتوبر 1898ء کو پشاور میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے انگریزی ادب میں ایم اے کیا۔ 1937ء میں آل انڈیا ریڈیو کے کنٹرولر جنرل مقرر ہوئے۔ 1947ء میں گورنمنٹ کالج لاہور کے پرنسپل ہو گئے۔ 1950ء میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب تعینات ہوئے۔ 1956ء میں کولمبیا یونیورسٹی میں انگریزی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ انگریزی، اردو، پشتو، فارسی اور فرانسیسی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔

ادبی خدمات

ہدایت کاری کے علاوہ غیر ملکی ڈراموں کے اردو تراجم بھی کیے، جن میں برنارڈ شا کے ڈراموں کے تراجم خاصے کی چیز ہیں۔

پطرس کے مضامین

انہیں جو عزت، مقام، مرتبہ اور قدر و قیمت اپنے مزاحیہ مضامین کے مجموعے پطرس کے مضامین کی بدولت حاصل ہوئی، وہ روز اول سے آج تک قائم و دائم ہے۔ اس مجموعے میں کل گیارہ مضامین شامل ہیں، جو حقیقت میں اردو ادب کا قیمتی سرمایہ ہے۔ ڈاکٹر فاروق عثمان لکھتے ہیں "اُن کی ان مزاحیہ تحریروں میں ہمیں خالص مزاح کی نہایت ہی نکھری ہوئی اور شستہ صورتیں ملتی ہیں۔ یہ ایسے مزاح کی مثال ہے، جو کسی طنز و تعریض اور تمسخر سے پاک نظر آتا ہے۔ شاید اسی لیے یہ تحریریں کسی کا دل جلانے اور تحقیر کا احساس دلانے کا باعث نہیں بنتیں،

بلکہ ان سے پھوٹنے والا مزاح، زندگی کی ڈھیر ساری ناگواریوں کے خلاف ایک فطری مدافعت بنتا ہے۔ یہی اس مجموعے کا جواز بھی ہے"۔

پطرس کے مزاح کی خصوصیات

پطرس بخاری کے مزاح کی خصوصیات میں زبان و بیان کا شستہ اور شائستہ استعمال، افسانویت، انگریزی ادبیات اور اسلوب کے اثرات، تحریف نگاری، واقعاتی مزاح، محاورات کا برجستہ استعمال اور کردار نگاری وغیرہ نمایاں ہیں۔

ڈاکٹر محمد احسن فاروقی نے پطرس بخاری کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

"پطرس کا کام کھیل دکھانا ہے۔ لفظوں کا کھیل، فقروں کا کھیل، چست جملوں کا کھیل۔ وٹ (wit) کا کھیل۔ موقعوں کا کھیل، ڈرامائی حالات کا کھیل، ہر مضمون یہی کھیل دکھاتا ہے۔"

وفات

اپنی تحریروں سے لوگوں کے لبوں پر شگفتگی کے پھول کھلانے والے، پطرس بخاری 5 دسمبر 1958ء کو نیویارک میں فوت ہوئے۔

☆☆☆

سبق "لاہور کا جغرافیہ"

(از پطرس بخاری)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
براہین	دلائل، نشانیاں، ثبوت	مقام انقطاع	ملنے کی جگہ
اہل سیف	جنگ جو	ید طولیٰ	مکمل مہارت
مفاد عامہ	عوام کا فائدہ	بہم رسانی آب	پانی کی دست یابی
کما حقہ	مکمل طور پر	مبہم	سمجھ میں نہ آنے والا
مژدہ	خوش خبری	چشم زدن	فوراً
وثوق	یقین	خم لنڈھانا	خوب خرچ کرنا

سرعت	تیزی	مح نظر	مقصد
دبازت	موٹائی	دساور	بیرون ملک
جوددسخا	سخاوت	انا	نوکرانی
خوش طبع	خوش مزاج	خرخشہ	جھگڑا، جنجال، مصیبت

خلاصہ

پطرس بخاری نے مزاح سے بھرپور اس مضمون میں لاہور شہر کے بڑھتے ہوئے مسائل کو موضوع بنایا ہے کہ لاہور شہر اب اتنا زیادہ پھیلتا جارہا ہے کہ اس کے حدود اربعے کا تعین کرنا بھی مشکل ہو چکا ہے۔ تاریخی حوالے سے لاہور پر دو ہی راستوں سے یلغار ہوئی، ایک راستہ جو دلی سے آتا تھا اور دوسرا جو پشاور سے۔ لاہور شہر کی وسعت کے منصوبے اس تیزی سے معرض وجود میں آرہے ہیں کہ کہیں بیس سال کے اندر پنجاب دارالحکومت ہوگا اور لاہور ایک صوبہ۔

آب و ہوا کو موضوع بناتے ہوئے پطرس کہتے ہیں کہ صنعتی پھیلاؤ نے لاہور شہر کی آب و ہوا کو شدید متاثر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل لاہور اب آب و ہوا کا مطالبہ کررہے ہیں۔ میونسپلٹی نے ان کے مطالبے اور خواہش کو جائز قرار دیا ہے۔ تاہم لاہور گرد و غبار اور دھوئیں سے گھرا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ پینے اور استعمال کے صاف پانی کی دست یابی بھی ایک خواب ہے۔ کمیٹی نے پانی کے نل تو لگا دیے، لیکن ان میں پانی نام کی کوئی شے نہیں۔ گویا آب و ہوا کی آلودگی کے ساتھ ساتھ صاف پانی کی دست یابی لاہور کا اہم مسئلہ ہے، جو عدم توجہی کا شکار ہے۔

ذرائع آمد و رفت میں سڑکیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ پطرس بتاتے ہیں کہ لاہور کی تاریخی حیثیت کو برقرار رکھنے کے لئے سڑکوں کی حالت وہی رکھی گئی ہے، جو شیر شاہ سوری کے زمانے کی تھی۔ لاہور کے گھوڑوں کو سواری کے لئے تو استعمال کیا جاتا ہی ہے، تاہم خوراک کے لئے بھی یہی گھوڑے استعمال میں آتے ہیں۔ لاہور کی خوب صورتی کو داغ دار کرنے میں سب سے اہم کردار دیواروں پر لگے اشتہارات کا ہے۔ پطرس نے ان نامعقول اور نامناسب اشتہارات کو بھی اپنے طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ اہل لاہور کی ایک اور بے حسی کہ انہوں نے اردو زبان و ادب کے مشاہیر کو بھی یاد نہیں رکھا اور اب کھانے پینے کی اشیاء، دوائیوں اور مٹھائیوں کی دکانوں کی بھرمار ہے اور پھر اپنا اپنا الوسیدھا کرنے کے لیے ہر ایک نے اپنی ایک انجمن بنا رکھی

ہے۔ پیداوار کے حوالے سے پطرس نے طلبہ کو سب سے اہم پیداوار قرار دیا ہے
جمالی، جلالی، خیالی اور خالی طلبہ میں تقسیم کیا گیا ہے تاہم پانچویں قسم کے طلبہ بھی لاہور کی رونق
بنتے چلے جا رہے ہیں۔ جن کو صرف محدب عدسے سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

☆☆☆



مشقی سوالات کا حل

سوال 1: مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات لکھیں۔

1۔ پطرس کے مطابق پنجاب اب پنج آب کیوں نہیں رہا؟

جواب: پطرس کے مطابق پنجاب اب پنج آب نہیں رہا۔ کیونکہ اس پانچ دریاؤں کی سرزمین میں اب صرف چار دریا بہتے ہیں۔ اور پانچواں دریا راوی اب بہنے کے قابل نہیں رہا۔ بلکہ ریت میں اٹا رہتا ہے۔

2۔ پطرس نے لاہور تک پہنچنے کے کتنے اور کون کون سے رستے بتائے ہیں؟

جواب: پطرس نے بتایا ہے کہ لاہور تک پہنچنے کے کئی رستے ہیں۔ لیکن دو ان میں سے بہت مشہور ہیں۔ ایک پشاور سے آتا ہے اور دوسرا دہلی سے۔

3۔ ہوا کی قلت پہ قابو پانے کیلئے اہل لاہور کو کیا ہدایت کی گئی؟

جواب: ہوا کی قلت پہ قابو پانے کے لئے اہل لاہور کو ہدایت کی گئی کہ مفاد عامہ کے پیش نظر ہوا کا بے جا استعمال نہ کریں۔ بلکہ جہاں تک ہو سکے کفایت شعاری سے کام لیں۔

4۔ بہم رسائی آب کی کون سی سکیم کمیٹی کے زیر غور تھی؟

جواب: بہم رسائی آب کی ایک سکیم کمیٹی کے زیر غور تھی جو کام سے وقت سے چلی آتی تھی۔ اس سکیم کے مکمل ہونے میں ممکن ہے چند سال اور لگ جائیں۔ اس لئے عارضی طور پر یہ انتظام کیا گیا ہے۔ کہ فی الحال شہر کے پانی کو حتی الوسع شہر سے باہر نکلنے نہ دیا جائے۔ اس طرح امید ہے تھوڑے ہی عرصے میں ہر محلے کا اپنا ایک دریا ہوگا۔

5۔ پطرس نے لاہور کی مرکزی سڑک کی حالت کس طرح بیان کی؟

جواب: لاہور کی مرکزی سڑک کی حالت بیان کرتے ہوئے پطرس کہتے ہیں کہ یہ سڑک بل کھاتی ہوئی لاہور کے بازاروں میں سے گزرتی ہے۔ یہ وہی سڑک ہے جسے

شیر شاہ سوری نے بنایا تھا۔ اس میں وہ قدیم تاریخی لڑھے اور [illegible]
توں موجود ہیں۔ جنہوں نے کئی سلطنتوں کے تختے الٹ دیئے تھے۔

6۔ لاہور کے قابل دید مقامات کے ملنے میں کیا دشواری پیش آتی ہے؟

جواب: لاہور کے قابل دید مقامات مشکل سے ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لاہور میں ہر عمارت کی بیرونی دیواریں دہری بنائی جاتی ہیں۔ یعنی پہلے اینٹوں اور چونے سے دیوار کھڑی کرتے ہیں اور پھر اس پر اشتہاروں کا پلستر کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح عمارتوں کی ظاہری صورت ہر لمحہ بدلتی رہتی ہے۔ اور ان کے پہچاننے میں خود شہر کے لوگوں کو بہت دقت پیش آتی ہے۔

7۔ پطرس نے لاہور کی سب سے بڑی صنعت اور حرفت کسے کہا ہے؟

جواب: پطرس کے بقول لاہور کی سب سے بڑی صنعت رسالہ بازی ہے اور سب سے بڑی حرفت دیواروں پر چپکے ہوئے بڑے بڑے اشتہارات اور پوسٹر ہیں۔

8۔ پطرس کے خیال میں لاہور کی سب سے اہم پیداوار کیا ہے؟

جواب: پطرس کے خیال میں لاہور کی سب سے اہم پیداوار یہاں کے طلباء ہیں جو بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

9۔ پطرس نے جمالی، جلالی، خیالی اور خالی طلبہ کی کیا وضاحت کی ہے؟

جواب: پطرس کے بقول جمالی طلباء عام طور پر پہلے درزیوں کے ہاں تیار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دھوبی اور پھر نائی کے پاس بھیجے جاتے ہیں۔ پھر کسی ریستوران میں ان کی نمائش کی جاتی ہے۔ غروب آفتاب کے بعد کسی سینما کے گرد و نواح میں نظر آتے ہیں۔ جلالی طلباء کا شجرہ جلال الدین اکبر سے ملتا ہے۔ شام کے وقت چند مصاحبوں کو ساتھ لئے نکلتے ہیں۔ کالج کی خوراک انہیں راس نہیں آتی۔ اس لئے ہوسٹل میں نہیں رہتے۔ تیسری قسم یعنی خیالی طلبہ اعلیٰ اخلاق، آوا گون اور جمہوریت پر بآواز بلند تبادلہ خیالات کرتے پائے جاتے ہیں۔ صحت جسمانی کو ارتقائے انسانی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ اس لئے صبح سویرے پانچ چھ ڈنٹر پیلتے ہیں۔ اور ہوسٹل کی چھت پر گہرے سانس لیتے ہیں۔ گاتے ضرور ہیں اگرچہ بے سرے گاتے ہیں۔ چوتھی قسم خالی طلبہ کی ہے۔ یہ طلبہ کی خالص ترین قسم ہے۔ کتابیں، امتحانات اور مطالعہ وغیرہ سے دور رہتے ہیں۔ تعلیم، نصاب اور درس کے ہنگاموں میں اس طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ جس طرح بتیس دانتوں

ہیں زبان رہتی ہے۔

سوال 2: درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ لاہور کا جغرافیہ کس نے لکھا ہے؟ (پطرس بخاری، مشتاق یوسفی، ابن انشاء)

جواب: پطرس بخاری

ب۔ لاہور تک پہنچنے کے مشہور راستے کتنے ہیں؟ (دو، تین، چار)

جواب: دو

ج۔ پطرس کے مطابق لاہور کے چاروں طرف کیا واقع ہے؟ (کھیت، عمارتیں، لاہور)

جواب: لاہور

د۔ بدقسمتی سے کیٹی کے پاس کس چیز کی قلت ہے؟ (فنڈز، افرادی قوت، ہوا)

جواب: ہوا

ہ۔ لاہور کے بازاروں میں پکی کھاتی ہوئی سڑک کس نے بنائی؟ (ظہیر الدین بابر، شاہ جہاں، شیر شاہ سوری)

جواب: شیر شاہ سوری

سوال 3: درست اور غلط جملوں کی نشاندہی کریں۔

الف۔ سبق لاہور کا جغرافیہ ایک افسانہ ہے۔ (غلط)

ب۔ وسط ایشیا سے آنے والے حملہ آور اہل سیف کہلاتے ہیں۔ (درست)

ج۔ ماہرین کا اندازہ ہے کہ دس بیس برس کے اندر لاہور ایک شہر کا نام ہوگا۔ (درست)

د۔ اصلی اور خالص گھوڑے سواری کے کام آتے ہیں۔ (غلط)

ہ۔ لاہور کے لوگ بہت خوش طبع ہیں۔ (درست)

سوال 4: خالی جگہ پُر کریں۔

الف۔ لاہور تک پہنچنے کے ..... رستے ہیں۔ (کئی)

ب۔ کہتے ہیں کسی زمانے میں لاہور کا ..... بھی ہوا کرتا تھا۔ (حدود اربعہ)

ج۔ بدقسمتی سے کیٹی کے پاس ..... کی قلت ہے۔ (ہوا)

د۔ بناسپتی گھوڑا شکل وصورت میں ..... سے ملتا ہے۔ (دم دار تارے)

ہ۔ ہر رسالے کا ہر نمبر عموماً ..... ہوتا ہے۔ (خاص نمبر)

و۔ لاہور کے ہر مربع انچ میں ایک ..... موجود ہے۔ (انجمن)

ز۔ لاہور کے لوگ بہت ..... ہیں۔ (خوش طبع)

☆☆☆☆

Joher Videos

(۴) مشتاق احمد یوسفی

حالاتِ زندگی

مشتاق احمد یوسفی ۴ اگست 1923ء کو ٹونک (راجستھان) میں پیدا ہوئے۔ آبا و اجداد کا تعلق جے پور سے تھا۔ ابتدائی تعلیم جے پور میں حاصل کرنے کے بعد 1945ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے فلسفے کے مضمون میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔ عملی زندگی کا آغاز پراونشل سول سروس میں ملازمت سے کیا۔ 1949ء میں انڈین پراونشل ڈینی کیڈر کے عہدوں پر فائز رہنے کے بعد 1950ء میں بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور بینکاری کے شعبے سے منسلک ہو گئے۔ مسلم کمرشل بینک، یونائیٹڈ بینک کے اعلیٰ عہدوں پر تعینات رہنے کے علاوہ پاکستان بینکنگ کونسل کے گورنر بھی رہے۔ اس کے علاوہ متعدد قومی اور بین الاقوامی مالیاتی اداروں میں بھی اہم خدمات سرانجام دیں۔

تصانیف

مشتاق احمد یوسفی کی پہلی کتاب 'چراغ تلے' 1961ء میں، دوسری خاکم بدہن 1970ء میں، تیسری زرگزشت 1976ء میں اور چوتھی کتاب آبِ گم 1990ء میں شائع ہوئی۔

اسلوبِ نگارش

مشتاق احمد یوسفی اردو ادب کے وہ صاحبِ طرز طنز و مزاح نگار ہیں، جنھوں نے طنز اور مزاح کو ایک خاص رنگ و آہنگ سے آشنا کیا۔ بلاشبہ اس طنزیہ مزاحیہ اندازِ تحریر میں شگفتگی اور شائستگی کے ساتھ جو کاٹ اور تیکھا پن سطر سطر اور جملے جملے میں جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے، وہ آج اردو ادب کے کم ہی لکھاریوں اور تخلیق کاروں کو نصیب ہوا ہے۔ ہم یہ کہنے میں حق

جانب ہیں کہ مشتاق احمد یوسفی نے ادب میں اسلوب تحریر کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کی تحریروں میں پائی جانے والی ادبیت، ذہانت، برجستگی، شائستگی اور دیگر خصوصیات کی بنا پر ہی کیا جاتا ہے کہ ہم اردو ادب کے عہد یوسفی میں زندہ ہیں۔

☆☆☆

سبق "جنون لطیفہ"

(از مشتاق احمد یوسفی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ناپید ہونا	مٹ جانا	دامے درمے	روپے پیسے سے
وطن مالوف	پیارا وطن	اُدھیڑ بُن	الجھن
تلخی کام ودہن	منہ کا بدذائقہ ہونا	من حیث الجماعت	پوری جماعت
نکاح ثانی	دوسرا نکاح	منکوحہ	نکاح میں آئی ہوئی عورت
خنجر تیغ ستم	ظلم کی تلوار کا زخمی مراد مظلوم	سردست	فوری طور پر، پہلے، اولاً
عندیہ	رضامندی	روداد	تفصیل مثول، بحث وتمحیص
احتراز	بچنا۔ رکنا	من جملہ	تمام کے تمام۔ سب کے سب
سراسیمگی	بدحواسی۔ پریشانی	ازروئے حساب	حساب کے مطابق
حسب منشا	مرضی کے مطابق	دوراندیشی	عقلمندی۔ دور کی سوچ رکھنا
لب لباب	حاصل۔ خلاصہ	مشروبات وماکولات	کھانے پینے کا سامان

USMAN NOTES www.usmannotes.com

وسیع المشربی	کشادہ دلی، بے تعصبی	قوی ہیکل	بڑے جسم کا
تادم وداع	رخصت تک، وقت رخصت	دوران ضیافت	کھانے کی دعوت میں
ہیچ مداں پنبہ دہاں	عاجز اور خاموش	تازہ واردان بساط مطبخ	نئے باورچی

خلاصہ

جنون لطیفہ میں مشتاق احمد یوسفی نے نہایت دلچسپ اور مزاح سے بھرپور انداز میں خانساموں کے بارے میں اپنے کچھ تلخ تجربات کا ذکر کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ایک اچھا سمجھ دار اور بہتر کھانا پکانے والے خانسامے کا ملنا کتنا مشکل کام ہے؟ بدذائقہ کھانا پکانے کا ہنر نہ صرف تعلیم یافتہ بیگمات کا خاصا ہے، بلکہ پیشہ ور خانسامے بھی اس کام میں کسی سے پیچھے نہیں۔ مضمون نگار نے جب شکایت کی کہ قسم قسم کے خوش ذائقہ کھانا پکانے والے خانسامے ناپید ہو رہے ہیں، تو مرزا عبدالودود بیگ نے جواب دیا۔ کہ خانسامے غائب نہیں ہو رہے، بلکہ وہ طبقہ ختم ہوتا جا رہا ہے، جو کھانے میں روایت پسند تھا، لیکن آج یہ وضع دار طبقہ باورچی رکھنے کی بجائے دوسرا نکاح کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔

کوئی خانساماں ہفتہ دس دن سے زیادہ نہیں ٹکتا اور مضمون نگار کو تو خاص طور پر اس وقت زیادہ مشکل پیش آتی ہے۔ جب کوئی خانساماں بھاگ جاتا ہے۔ یا نئے خانساماں کا انتخاب اور چناؤ کرنا ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر خانسامے کے اپنے ناز نخرے ہوتے ہیں۔ خانسامے کو رام کرنے کا مزرا عبدالودود بیگ نے یہ طریقہ دریافت کیا کہ خانسامے کو اس حد تک منہ زور اور بدتمیز کر دو کہ کسی دوسرے گھر میں اس کا گزارا ہی نہ ہو۔ زیادہ دن نہیں گزرے کہ ایک خانساماں ملازمت کی غرض سے آیا، الٹا مضمون نگار کا انٹرویو شروع کر دیا اور مختلف شرائط پیش کیں مثلاً برتن نہ مانجھنے، جھاڑو نہ دینے، اور ایش ٹرے صاف نہ کرنے کے ساتھ ساتھ میز نہ لگانے اور دعوتوں میں ہاتھ نہ دھلوانے کی شرائط رکھیں اور جب مضمون نگار نے اس کی تمام شرائط مان کر سودا سلف لانے کے کام کا کہا، تو پچھتر روپے ماہوار کی بجائے چالیس روپے ماہوار پر بھی راضی ہو گیا۔

اس کے بعد ایک اور خانساماں آیا، جس کا دعویٰ تھا کہ وہ ہر حطے کے اور ہر [illegible] کھانے پکانے میں ماہر ہے۔ اس کے بعد مختلف خانساماں آئے۔ جنھوں نے چولھے کی ساخت اور سائز پر اعتراضات کیے۔ ایک خانسامے سے جب مضمون نگار نے دریافت کیا کہ تم گھر کا کھانا کیوں نہیں کھاتے، تو بولا، صاحب! ہاتھ بیچا ہے زبان نہیں! گویا اس نے تنبیہ کر دی کہ اگر اس پر اپنے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے کی پابندی لگائی گئی، تو وہ استعفا دے گا۔ ایک اور خانسامے سے جب مضمون نگار نے نوکری چھوڑنے کی وجہ پوچھی تو جواب ملا کہ بے چارے مالک پر پانچ ماہ کی تنخواہ چڑھ گئی تھی۔ ایک دن مالک نے کہا، خدا بخش! دو دن چھٹی کرو اور صحت بناؤ۔ دو دن بعد جب آیا، تو وہ صاحب گھر چھوڑ کر ہی جا چکے تھے۔ ایک اور خانساماں آیا، جس نے شکوہ کیا کہ آج کل وفادار مالک کا ملنا بھی کتنا مشکل ہے؟ پھر ایک قوی ہیکل خانسامے کا تذکرہ ہے کہ ان کے ڈیل ڈول اور رعب سے سبھی خوف کھاتے تھے اور وہ حضرت بھی دھونس دھاندلی سے کھانے کی خوبیاں منوا لیتے تھے، لیکن ان کے کھانوں کی وجہ سے ڈاکٹروں کے مزے ہو گئے۔ لیکن مضمون نگار کی قسمت اچھی تھی کہ ایک دن خود ہی آ کر بولے، صاحب! تم روز بیمار ہو جاتے ہو، اس سے ہماری رسوائی ہو رہی ہے، یہ کہہ کر وہ خود ہی رخصت ہو گئے۔

یہ تو حال تھا خانسامے رکھنے کی مشکلات اور پیچیدگیوں کا اور پھر کسی نے مشورہ دیا کہ ریفریجریٹر خرید لو اور ہفتہ بھر کا کھانا پکوا کر اس میں رکھ لیا کرو۔ ہم نے ایسا کیا، لیکن ہوا یہ کہ پہلے جو بدمزہ کھانا صرف ایک وقت ہی کھاتے تھے۔ اب اسے ہفتہ بھر کھانا پڑتا ہے۔

☆☆☆

مشقی سوالات کا حل

سوال 1: مختصر جواب دیں۔

(i) مضمون نگار کو کن دو موقعوں پر اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوتا ہے۔

جواب: جس دن کوئی نیا خانساماں گھر آئے یا جب کوئی خانساماں چلا جائے تو ان دونوں موقعوں پر مضمون نگار کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوتا ہے۔

(ii) مضمون نگار کے مطابق معمولی سپاہی اور جرنیل میں کیا فرق ہے؟

جواب: مضمون نگار کے مطابق معمولی سپاہی اور جرنیل میں یہ فرق ہے کہ معمولی سپاہی نے خود کام کرنا ہوتا ہے۔ جبکہ جرنیل کو دوسروں سے کام لینا ہوتا ہے۔

(iii) مرزا عبدالودود بیگ نے اپنے خانسامے کو منہ زور اور بدتمیز کیوں کر دیا تھا؟

جواب: مرزا عبدالودود بیگ نے اپنے خانسامے کو جان بوجھ کر منہ زور اور بدتمیز اس لئے کر دیا تھا کہ اب اس کے گھر کے سوا اس کی کہیں اور گزر نہ ہو سکے۔

(iv) مڈل فیل خانسامے نے کس طرح کا انٹرویو دیا؟

جواب: مڈل فیل خانساماں نے انٹرویو دینے کی بجائے مضمون نگار کا انٹرویو لیا۔ نام اور پیشہ پوچھا، سابقہ خانسا ماؤں کے پتے پوچھے نیز یہ کہ آخری خانساماں نے ملازمت کیوں چھوڑی؟ کام کا سوال آیا تو کہنے لگا برتن نہیں مانجھوں گا، جھاڑو نہیں دوں گا، ایش ٹرے صاف نہیں کروں گا، میز نہیں لگاؤں گا، دعوتوں میں ہاتھ نہیں دھلاؤں گا وغیرہ

(v) یوسفی کے مطابق دوزخ میں گناہگار عورتوں اور ریڈیو والوں سے کیا سلوک کیا جائے گا؟

جواب: یوسفی کے مطابق دوزخ میں گناہگار عورتوں کو ان کے اپنے پکائے ہوئے سالن زبردستی کھلائے جائیں گے۔ اسی طرح ریڈیو والوں کو فرشتے آتشیں گرز مار مار کر بار بار ان ہی کے نشر کئے ہوئے پروگراموں کے ریکارڈ سنائیں گے۔

(vi) خدا بخش نے نوکری چھوڑنے کی کیا وجہ بتائی؟

جواب: خدا بخش نے نوکری چھوڑنے کی وجہ یہ بتائی کہ اسکی پانچ مہینے کی تنخواہ مالک ادا نہ کر سکا تھا۔ پھر ایک دن مالک نے خدا بخش سے کہا کہ دو دن کی چھٹی کرو اور اپنی صحت بناؤ۔ دو دن بعد جب وہ واپس پہنچا تو گھر خالی پایا۔ کیونکہ اس کا صاحب سامان سمیٹ کر کہیں اور جا چکا تھا۔

(vii) آغا کا کھانے پکانے اور کھلانے کا انداز کیا تھا؟

جواب: آغا ڈرا دھمکا کر اپنے پکائے ہوئے کھانوں کی خوبیاں منوا لیتے تھے۔ جس دن سے انہوں نے باورچی خانہ سنبھالا گھر میں حکیم ڈاکٹروں کی ریل پیل ہونے لگی۔

ان کا پکایا ہوا کھانا دیکھ کر سر پیٹنے کو جی چاہتا تھا۔

(viii) آغا نے ملازمت چھوڑنے کی وجہ کیا بتائی؟

جواب: آغا نے ملازمت چھوڑنے کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے پکائے ہوئے کھانے کھا کر صاحب روز روز بیمار ہو جاتے تھے جس سے آغا کی اس کے قبیلے میں رسوائی ہوتی تھی اور اس کا خانہ خراب ہوتا تھا۔

سوال 2: خالی جگہ پُر کریں۔

1۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ بدذائقہ کھانا پکانے کا ہنر صرف ..... بیگمات کو آتا ہے۔ (تعلیم یافتہ)

2۔ اب وضع دار طبقے کے افراد باورچی نوکر رکھنے کے بجائے ..... کر لیتے ہیں۔ (نکاح ثانی)

3۔ ہم داد کے خواہاں ہیں نہ انصاف کے ..... (طالب)

4۔ جہلا سے ہمیشہ ..... گریز کیا جاتا ہے۔ (سنجیدہ)

5۔ اس ظالم کا نام یاد نہیں آ رہا البتہ صورت اور ..... اب تک یاد ہیں۔ (خدوخال)

6۔ ہم کھانے کے شوقین ہیں ..... کے بھوکے نہیں۔ (خوشامد)

7۔ صاحب! آج کل وفادار ..... کہاں ملتا ہے؟ (مالک)

سوال 3: درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ جنون لطیفہ کس کا لکھا ہوا مزاحیہ مضمون ہے؟

(پطرس بخاری، فرحت اللہ بیگ، مشتاق احمد یوسفی)

(iv)

جواب: مشتاق احمد یوسفی

2۔ عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ ..... کھانا پکانے کا ہنر صرف تعلیم یافتہ بیگمات کو آتا ہے۔

(خوش ذائقہ، بدذائقہ، معیاری)

جواب: بدذائقہ

3۔ خودمرنے کیلئے کسی خاص ..... کی ضرورت نہیں پڑتی۔ (قابلیت، دشمن، ہتھیار)

(iiv)

جواب: قابلیت

4۔ ایک شرط اُنہوں نے یہ لگائی کہ اگر آپ گرمیوں کی چھٹیوں میں پہاڑ پر جائیں

جواب: عوضی مالک

5۔ تنک کر بولا، صاحب! ہاتھ بچا ہے..... نہیں بچی۔ (انا، زبان)

جواب: زبان

6۔ دوپہر کے کھانے پر دیکھا شوربے میں مسلم..... ہچکولے لے رہی ہے۔
(کیری، مرغی، بکرے کی ران)

جواب: کیری

7۔ یہ الجھنیں آپ نے اپنے..... سے خواہ مخواہ پیدا کر رکھی ہیں۔
(ٹھاٹ باٹ، چٹورپن، غلط رویے)

جواب: چٹورپن

8۔ خراب کھانا کھا کے بدمزہ نہ ہونا یہی..... کی دلیل ہے۔ (خاموشی، بزدلی، شرافت)

جواب: شرافت

سوال 4: درست اور غلط کی نشاندہی کریں۔

1۔ جنون لطیفہ مشتاق احمد یوسفی کی کتاب چراغ تلے سے لیا گیا مزاحیہ مضمون ہے۔ (صحیح)

2۔ یوسفی کو خانسامے کیس تلاش میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ (غلط)

3۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں ہر شخص اپنے آپ کو سمجھتا ہے کہ اسے ہنسنا اور کھانا آتا ہے۔ (صحیح)

4۔ مرزا اکثر کہتے ہیں کہ خود کام کرنا بہت دشوار ہے، مگر دوسروں سے کام لینا بہت آسان۔ (غلط)

5۔ مارواڑی سیٹھوں کے پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا راز ہینگ میں مضمر ہے۔ (صحیح)

6۔ جس دن سے انہوں نے باورچی خانہ سنبھالا، گھر میں مہمانوں کی ریل پیل ہونے لگی۔ (غلط)

7۔ دوران ضیافت احباب نے بکمال سنجیدگی مشورہ دیا کہ ریفریجریٹر خرید لو۔ (صحیح)

8۔ فرانس میں کھانا کھانے اور پکانے کا شمار جنون لطیفہ میں ہوتا ہے۔ (غلط)

☆☆☆☆

باب 6

غزل

(۱) علامہ محمد اقبال

حالات زندگی

ہمارے قومی شاعر علامہ محمد اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محترم کا نام شیخ نور محمد تھا۔ ان کے خاندان کے بزرگ کشمیر کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد نے تجارت کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا اور انہیں لوگ ایک نہایت ایماندار، متقی اور پرہیزگار شخص کے طور پر جانتے اور مانتے تھے۔

تعلیم

علامہ اقبال ابتدائی تعلیم دینی مکتب سے حاصل کرنے کے بعد سکاچ مشن ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور یہاں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ ایف اے کا امتحان مرے کالج سیالکوٹ سے پاس کیا۔ سیالکوٹ میں تعلیم کے دوران ان کو مولوی میر حسن جیسے عظیم استاد کی شاگردی کا شرف بھی نصیب ہوا۔ بی اے اور ایم اے (فلسفہ) کے امتحانات گورنمنٹ کالج لاہور سے پاس کیے۔ 1899ء میں ایم اے کرنے کے بعد کچھ عرصہ اورینٹل کالج اور پھر گورنمنٹ کالج میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم کیلئے سفر یورپ

1905ء میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے انگلستان روانہ ہوگئے۔ وہاں کیمرج یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ازاں بعد جرمنی گئے، جہاں سے فلسفے میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ قانون کی اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کی۔ بار ایٹ لا کا امتحان لندن سے پاس کیا۔

وطن واپسی

1908ء میں وطن واپس پہنچے۔ وطن واپس آ کر گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر مقرر ہوئے، مگر کچھ عرصے کے بعد لاہور ہی میں وکالت کا پیشہ اختیار کرلیا۔ اس دوران سخن گوئی کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ 1922ء میں انہیں حکومت برطانیہ کی طرف سے "سر" کا خطاب دیا گیا۔

ملی وسیاسی خدمات

1926ء میں پنجاب کی قانون ساز اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسے منعقدہ الہ آباد میں مسلمانوں کے لئے ایک الگ مملکت کے قیام کا تصور پیش کیا۔ اسی بنا پر آپ کو تصور پاکستان کے خالق کے طور پر جانا جاتا ہے۔ گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے دوبار یورپ کا سفر اختیار کیا۔ حکومت افغانستان کی دعوت پر افغانستان بھی گئے۔

تصانیف

ان کی تصانیف میں "بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، اسرار خودی، رموز بے خودی، پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد، اورارمغان حجاز وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

وفات

علامہ اقبال 21 اپریل 1938ء کو لاہور میں فوت ہوئے اور بادشاہی مسجد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

شاعری کی خصوصیات

علامہ محمد اقبال ایک عہد آفریں شاعر ہیں۔ ان کی شاعری ایک پیغام اور دعوت فکر وعمل ہے۔ یہ عرفان ذات کا پتا دیتی ہے اور خودی کی تعمیر کے لئے عشق کے لازوال جذبے کو لازمی قرار دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی قوت بخش شاعری ہے، جس کے پڑھنے سے انسان میں فکر وعمل کا احساس جاگتا ہے۔ کلام اقبال نے برصغیر کے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے ترقی اور آزادی کی راہ پر گامزن کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کو عشق ومحبت، گل وبلبل، طاؤس ورباب اور زلف ورخسار جیسے روایتی مضامین کا پابند نہیں بنایا، بلکہ ان کلاسیکی علامات و استعارات سے ایسے مضامین اور خیالات کی ترجمانی کی، جو اُردو شاعری کی تاریخ میں پہلی بار

متعارف ہوئے۔ نظم اور غزل ہر دو اصناف کی موضوعاتی اور فکری روش کو نئے امکانات
کیا۔ ان کے انقلابی انداز فکر نے امت مسلمہ کے اندر انقلابی روح بیدار کر دی۔ انہوں نے
اردو اور فارسی میں عظیم شاعری تخلیق کی، وہ صرف شاعر ہی نہیں تھے، بلکہ ایک عظیم مفکر اور ایسے
سیاسی و ملی راہنما تھے جو امت مسلمہ کے امراض کی تشخیص ایک ماہر طبیب کی طرح کرنا جانتے
تھے اور اُس کا شافی علاج تجویز کرنے پر بھی قادر تھے۔ ایک مذہبی گھرانے میں ذہنی و فکری
تربیت حاصل کرنے کی بناء پر ان کے اندر عشق محمد ﷺ کی ایک ایسی شمع روشن ہو گئی تھی، جس
نے ساری عمر ان کو الہامی روشنی دکھائی اور مسرور کیے رکھا۔

اقبال کی غزل

اقبال کی غزل نے اُردو غزل کے قدیم پیمانوں کو بدلا، اس کی لفظیات اور لب و لہجے
میں تبدیلی پیدا کی، طرز احساس اور طرز ادا میں نیا رنگ بھرا، حیات پرور اور حیات آفریں تغزل
کی ابتدا کی، کشمکش حیات میں جینے کا نیا ولولہ بخشا، اُردو شاعری کو نئے تصورات عطا کیے، اچھوتی
اور نادر تشبیہات اور تراکیب دیں۔ بطور غزل گو ان کا جداگانہ اسلوب اپنی مثال آپ ہے۔ اس
انداز اسلوب کی پیروی تو کئی شعرا نے کی، مگر ایسا فنی کمال اور فکری سربلندی کا معیار کہیں اور
دیکھنے میں نہ آ سکا۔

شاعری کا نیا اسلوب

اقبال کی شاعری رفعت خیال اور ندرت اظہار کی بہترین مثال ہے۔ زبان و بیان
کے فن کارانہ استعمال میں اقبال کا کلام اپنے عہد کے دیگر شعراء کے مقابلے میں منفرد اور یکتا
ہے۔ شاعر نے اپنی نظموں اور غزلوں میں جن الفاظ، اصطلاحات اور علامات کو برتا ہے اور جن
معنوں میں برتا ہے، وہ اُردو کی شعری روایت میں بالکل نئی اور منفرد چیز ہے۔ یہ ایک امتیازی فنی
و فکری رویہ تھا، جس نے برصغیر میں، خصوصاً پاکستان میں ایک ایسے دبستان کی بنیاد رکھی جس
کے اثرات بعد کی کئی نسلوں تک منتقل ہوئے اور اب تک ہو رہے ہیں۔ اقبال کی شاعری اسلامی
طرز فکر کی نمائندہ ہے اور وہ اسی طرز فکر کو دنیا اور آخرت میں نجات کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

☆☆☆☆

غزل ۔ علامہ محمد اقبال

شعر نمبر 1

عقل کو آستاں سے دُور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

لغت

آستاں (چوکھٹ، دہلیز)، حضور (حاضر ہونا، حضوری میں آ جانا، موجود ہونا)

تشریح

اس شعر میں اقبال عشق کے مقابلے میں عقل کو کم تر اور ناقص قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ عقل اگرچہ آستانہ محبوب سے زیادہ دُور نہیں ہے، مگر اس کے مقدر میں محبوب کی حاضری نہیں ہے (یہاں محبوب سے مراد حقیقی محبوب، یعنی اللہ تعالیٰ ہے، جس کی بارگاہ میں حضوری صرف عشق کے سچے جذبے ہی سے ممکن ہے) گویا عقل جو بجا طور پر انسانی قوت ہے، انسان کی حقیقی راہنمائی سے عاجز ہے۔ عقل راہ کا پتہ تو دے، منزل نہیں ہے۔ یہ ہمیں محبوب کے دروازے (چوکھٹ) تک تو لے جا سکتی ہے، مگر باریابی کا شرف اُس گہری قلبی وابستگی اور ایمان کے جذبے کی بدولت ہی ممکن ہے، جو عشق کی دین ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے مخصوص تصور عقل و عشق کو ایک دوسرے مقام پر اس طرح بیان کیا ہے۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے، منزل نہیں ہے

شعر نمبر 2

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

لغت

(دیکھنے والا دل، ایسا دل جو حقیقت کا ادراک کر سکے)، آنکھ کا نور (آنکھ کی بینائی)

تشریح

اقبال دل کو روشن کرنے پر زور دیتے ہیں اور دل کی حقیقی روشنی اُس صورت میں میسر

آتی ہے، جب آنکھ حقیقی طور پر روشن ہو، کیونکہ محبوب حقیقی (خدا) کو دیکھنے کے لئے ظاہری آنکھ کی روشنی کام نہیں آتی، اس کے لئے دیکھنے والے دل کے ساتھ ساتھ ایسی بصیرت کی بھی ضرورت ہے۔ جو دنیاوی کدورتوں اور آلائشوں سے پاک ہو۔ دل کی روشنی محبت الٰہی سے حاصل ہوتی ہے، جب ایسا دل (خدا کی بارگاہ سے) میسر آجائے، تو ہر شے صاف دکھائی دینے لگتی ہے، شاعر کے نزدیک آنکھوں کی روشنی دل کی روشنی کے مقابلے میں کم تر ہے۔ دراصل شاعر کا مقصد یہ ہے کہ ظاہر کو دیکھنے والی آنکھ کے ساتھ ساتھ دل کی بصیرت بھی ضروری ہے۔ جب تک ہم اللہ تعالیٰ سے حقیقی شعور یا ادراک طلب نہیں کریں گے، منزل مراد نہیں پاسکیں گے۔

شعر نمبر 3

علم میں بھی سُرور ہے، لیکن
یہ وہ جنت ہے جس میں حُور نہیں

تشریح

علم ایک طرح سے لطف ولذت کا سبب تو بنتا ہے، اس سے انسان کو سرور تو حاصل ہوتا ہے۔ جس کی بدولت عارضی طور پر بندہ خود کو خوشی اور لذت کی کسی جنت میں محسوس کرتا ہے مگر علم کا یہ سرور یا لذت اس بات کی ضمانت نہیں کہ انسان حقیقت تک رسائی حاصل کر چکا ہے۔ اسی لیے شاعر نے علم کو ایک ایسی جنت سے تعبیر کیا ہے، جو حور کے وجود سے خالی ہے۔ شاعر کے نزدیک علم سے مقصود حقیقی نہیں ملتا، اس سے محض دنیاوی حقائق کا ادراک کیا جاسکتا ہے علم سے مشکلیں آسان بنائی جاسکتی ہیں، مگر خدا شناسی کی منزل پانے کے لئے جذبہ عشق کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے اقبال کہتے ہیں کہ اے بندے! اگر حصول منزل کا اصل نشہ اور حقیقی جنت کی آرزو ہے، تو وہ جنت حاصل کرنے کی کوشش کر، جو عشق سے عبارت ہے۔ عشق اور جذبہ ایمان کو ظاہری علم پر فوقیت دیتے ہوئے ایک اور جگہ اقبال کہتے ہیں۔

عشق کی تیغ جگر دار اڑا لی کس نے؟
علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

شعر نمبر 4

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
ایک بھی صاحب سُرور نہیں

لغت

صاحب سُرور (سُرور والا، یا سرور میں لانے والا)، کیا غضب ہے (کیا ستم ہے)

تشریح

کتنے دکھ کی بات ہے کہ امت مسلمہ قحط الرّ جال کا شکار ہو کر رہ گئی ہے، کہیں کوئی ایک بھی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا، جسے حقیقی معنوں میں صاحب کمال کہا جا سکے۔ علامہ اقبال کو دلی افسوس ہے کہ مسلمانوں میں ایسے دیدہ وراب ختم ہو گئے ہیں، جن کے دلوں میں عشق کے چراغ روشن تھے۔ انہیں اس بات کا دکھ ہے کہ مسلمانوں کی صفوں میں اچھے، قابل اور صاحب کمال لوگوں کی کمی ہے۔ جو صحیح ملی اور قومی جذبے سے سرشار ہو کر ملت کی کشتی کو منزل مراد تک لے جانے کے اہل ہوں۔ وہ مرد قلندر جن میں عشق و ایمان کی سرمستیاں اور ذوق و شوق کی سربلندیاں تھیں دنیا ان کے وجود سے خالی ہو گئی۔

شعر نمبر 5

اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

لغت

جنوں (دیوانگی)، باشعور (ہوش وحواس رکھنے والا)

تشریح

جنون، جسے دیوانگی کا نام دیا جاتا ہے، دراصل فرزانگی ہے کہ اسی جنوں کے جذبے کی بدولت دیوانوں نے دنیا میں عظیم کارنامے انجام دیے ہیں۔ لفظ جنوں کو شاعر نے اُس بے پناہ لگن اور عزم وحوصلے کے معنوں میں استعمال کیا ہے، جس سے بڑی بڑی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔ شاعر نے اس شعر میں دیوانگی کی دو حالتوں کا ذکر کیا ہے، ایک وہ جس میں عشق پوری توانائی اور شدت سے سامنے آتا ہے اور ہوش وحواس بھی قائم رہتے ہیں جبکہ دیوانگی کی دوسری حالت میں انسان شعور اور ہوش وحواس قائم نہیں رکھ سکتا اور نتیجتاً بے مراد رہتا ہے۔ شاعر نے دیوانگی، یعنی جنوں کی پہلی حالت کو مقدم جانا ہے، جبکہ دوسری صورت میں چونکہ انسان باشعور نہیں رہتا، لہٰذا اُسے بے شعوری قرار دیا ہے۔

شعر نمبر 6

ناصبوری ہے زندگی دل کی
آہ! وہ دل کہ ناصبور نہیں

لغت

ناصبوری (بے صبری، بے قراری) ناصبور (بے صبر، بے چین)

تشریح

بے قراری اور بے صبری دل کے زندہ اور متحرک ہونے کی علامت ہے، جو دل اس کیفیت سے عاری ہیں، وہ مردہ ہیں۔ شاعر کے نزدیک بے قراری، بے چینی اور ایک مسلسل اضطراب کی حالت، زندگی کی علامت ہے، جبکہ سکون و جمود، موت کا دوسرا نام ہے۔ اگر دل میں عشق کا سچا جذبہ موجزن ہے، تو اس کی بے قراری اور بے چینی لازمی امر ہے۔ شاعر چاہتا ہے کہ مسلمان کسی ایک مقام کو منزل جان کر مطمئن نہ ہو جائے، بلکہ آگے بڑھے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں نئے آفاق کی کھوج لگائے۔ شعر کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ جو دل عشق حقیقی میں بے تاب اور مضطرب نہ ہو، یعنی جسے عشق حقیقی کی بے قراری نصیب نہیں، وہ گوشت کا ایک بیکار لوتھڑا ہے۔ کیونکہ عشق الٰہی کی دولت پانے کے لئے دل مضطرب چاہیئے۔ ایسا دل جو سوز عشق کی لذت سے آشنا ہو۔

شعر نمبر 7

بے حضوری ہے تیری موت کا راز
زندہ ہو تو، تجھ پہ بے قصور نہیں

لغت

بے حضوری (باریاب نہ ہونا، حاضری نصیب نہ ہونا)

تشریح

علامہ اقبال محبوب حقیقی سے لو لگانے کو زندگی کا حاصل قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عشق الٰہی ہی دراصل زندگی کا راز ہے۔ اے انسان! اگر تجھے حضوری کی کیفیت حاصل ہو گئی ہے۔ تو تیرا شمار زندہ لوگوں میں ہے۔ ورنہ بے حضوری کی حالت میں تو زندہ رہ کر بھی مردہ حالت میں ہے۔ تیری موت کا راز اسی بے حضوری کی بدولت ہے، جس نے تجھے بے نصیب بنا دیا ہے۔ اس شعر میں اقبال اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اگر آج بھی مسلمان اپنی بے عملی اور بے حسی کو چھوڑ کر محبت خداوندی کو اپنا لے، تو تیرا دل بارگاہ رب العزت میں حضوری کا شرف حاصل کر لے گا۔

Joher Videos

(۲) فیض احمد فیض

حالاتِ زندگی

فیض احمد فیض 13 جنوری 1911ء کو سیالکوٹ کے ایک قصبے کالا قادر میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سلطان محمد خان تھا۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز گھر پر ہی ہوا، جہاں انھوں نے اُردو، فارسی، اور قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی۔ 1915ء میں انھیں انجمن اسلامیہ کے مدرسے میں داخل کروایا گیا۔ اسکاچ مشن سکول میں مولوی ابراہیم سیالکوٹی سے مشرقی علوم کی تعلیم حاصل کی۔ اسی سکول میں ان کے ایک استاد شمس العلماء مولوی میر حسن بھی تھے جن کے شاگردوں میں علامہ محمد اقبال کا نام سرِ فہرست ہے۔ فیض صاحب نے ان سے عربی صرف ونحو کا درس لیا اور ان سے اپنے اس شاگردانہ تعلق کو بہت فخر سے بیان کیا۔ 1927ء میں اسکاچ مشن ہائی اسکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد 1929ء میں مرے کالج سیالکوٹ سے ایف اے کیا اور پھر مزید تعلیم کے لیے لاہور آ گئے، جہاں گورنمنٹ کالج سے انگریزی میں اعزاز کے ساتھ ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

ملازمت

1935ء میں جب انجمن اسلامیہ کے ایم اے او ہائی اسکول امرتسر کو کالج کا درجہ مل گیا، تو اس میں لیکچرر کی حیثیت سے ان تقرر ہو گیا۔ انھوں نے 5 سال تک وہاں انگریزی ادب پڑھایا۔ امرتسر ہی میں فیض صاحب کی پہلی ملاقات ترقی پسند تحریک کے بانی اور اپنے عہد کے معروف ادیب سید سجاد ظہیر سے ہوئی اور وہ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہو گئے۔

صحافتی خدمات

قیام پاکستان کے بعد "پاکستان ٹائمز" کے مدیر مقرر ہوئے۔ اپنے وقت کے مشہور

اُردو اخبار، امروز اور ہفت روزہ، لیل ونہار سے بھی بطور مدیر وابستہ رہے۔ صحافتی شعبے میں لگ بھگ دس گیارہ سال تک خدمات انجام دیں۔ فوج میں بھی ملازمت اختیار کی اور کرنل کے عہدے پر فائز رہے۔ عبداللہ ہارون کالج، کراچی میں بطور پرنسپل بھی کام کیا۔

وفات

فیض صاحب کا 20 نومبر 1984ء کو انتقال ہوا۔

تصانیف

'نقش فریادی'، 'دستِ صبا'، 'زنداں نامہ'، 'دستِ تہ سنگ'، 'سرِ وادیِ سینا'، 'شامِ شہریاراں'، 'مرے دل مرے مسافر'، 'نسخہ ہائے وفا'، 'میزان'، 'صلیبیں مرے دریچے میں'، اور متاعِ لوح وقلم' وغیرہ۔ ان کی شعری اور نثری تخلیقات ہیں۔

شاعری کی نمایاں خصوصیات

فیض عصرِ موجود کے نمائندے اور مقبول ترین شاعر ہیں۔ اُنھوں نے اُردو شاعری کی روایتی اور پامال علامتوں اور تراکیب کو نئے معنوی امکانات سے ہمکنار کیا۔ ان کے کلاسیکی مفاہیم میں جدت پیدا کر کے انھیں عصر کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کیا ان کی شاعرانہ فکر عالمی امن کا خواب بنتی رہی۔ فیض دھیمے، مگر شیریں لہجے کے شاعر ہیں۔ اپنے دیگر ہم عصر ترقی پسند شعرا کی اکثریت کی طرح ان کے ہاں لہجے کی کرختگی اور تندی کبھی نہیں ہے۔ وہ اپنے احساسات کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ شاعری اور مقصدیت گھل مل جاتے ہیں۔ ان کی عشقیہ شاعری میں بھی ایک توازن اور تہذیب کا پرتو ملتا ہے۔ ان کا پیش کردہ عشق مجاز کے شوخ رنگ تو رکھتا ہے، مگر ان رنگوں میں وطن سے محبت اور انسان دوستی کا رنگ نمایاں ہے۔ اُنہوں نے شاعری کے قدیم تصورات، استعارات، اصطلاحات اور تراکیب کو نیا سیاسی شعور عطا کیا ہے۔ ان کی غزل اپنے عہد کی نمائندہ غزل بن گئی ہے۔ ان کا لب ولہجہ رجائیت پسند ہے۔ ان کا کلام ایک بالغ نظر اور ذی شعور انسان کا ترجمان ہے۔ زبان وبیان میں پختگی فن پر ان کی دسترس کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ غزل اور نظم میں فیض نے جو طرزِ فغاں ایجاد کی، اُس کی پیروی پاک وہند میں ہر جگہ دکھائی دی۔ یہ شاعر کی فنی عظمت کی دلیل ہے۔ فیض

صاحب نے جتنی اعلیٰ نظم لکھی، اتنی ہی اعلیٰ درجے کی غزل بھی لکھی۔ وہ حقیقی معنوں میں اور رومانوی ہر دو طرح کے احساسات و جذبات کی نمائندہ شاعری کہہ سکتے ہیں۔ اُردو شعری ادب کے جدید دور میں اُن کا مقام نہایت بلند ہے۔

☆☆☆☆



غزل "فیض احمد فیض"

شعر نمبر 1

کب یاد میں تیرا ساتھ نہیں، کب بات میں تیرا ہات نہیں
صد شکر کہ اپنی راتوں میں اب ہجر کی کوئی رات نہیں

لغت

صد شکر (سو بار تشکر)، ہجر (محبوب سے جدائی، بچھڑ جانے کی کیفیت)

تشریح

عشق کرنے والے وصال میں سرشاری اور مسرت، جبکہ ہجر و فراق میں کسک اور درد و کرب سے دوچار ہوتے ہیں، ہجر و وصال کی یہ دھوپ چھاؤں محبت کرنے والوں کا ہمیشہ سے مقدر رہی ہے، مگر اہلِ عشق ہجر کی ان جان لیوا گھڑیوں کو بھی جلد یا بدیر اپنی آرزو میں ایک طرح سے وصال کی لذت ہی محسوس کرتے ہیں۔ سچے عاشق کے لیے جدائی بھی ملاپ ہی کا وسیلہ ہوتی ہے۔

بقول ناصر کاظمی

ترے فراق کی راتیں کبھی نہ بھولیں گی
مزے ملے انھی راتوں میں عمر بھر کے مجھے

یا پھر جیسے حکیم مومن خان مومن نے کہا۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

لہٰذا فیض کا کہنا ہے کہ: اے دوست! ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں تیری یادوں رفاقت
کبھی اکیلا رہا ہوں، تُو تو ہر دم میرے ساتھ ہے اور میں اللہ تعالیٰ کا سو سو بار شکر ادا کرتا ہوں کہ
اب فراق کی راتیں گزر گئی ہیں۔ چشمِ تخیل میں تم میرے ساتھ ہوتے ہو: تمھارا ہاتھ میرے
ہاتھ میں ہے، لہٰذا اب ہجر کی راتیں ختم ہوئیں۔

شعر نمبر 2

مشکل ہیں اگر حالات وہاں، دل بیچ آئیں، جاں دے آئیں
دل والو! کوچۂ جاناں میں کیا ایسے بھی حالات نہیں

لغت

کوچہ (محبوب کی گلی مراد ہے)، جاناں (محبوب، عزیز ہستی) کوچہ جاناں (وہ جگہ یا گلی
جہاں محبوب کا قیام ہے)، دل بیچ آئیں، جاں بیچ آئیں (دل اور جان محبوب پر قربان کر دیں)

تشریح

اِس شعر میں شاعر کا خطاب دل والوں یعنی سچے عاشقوں سے ہے۔ وہ انھیں مخاطب
کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو لوگ کوچہ محبوب سے جان سلامت لے کر لوٹے ہیں، سچے عاشق
نہیں ہیں۔ عشق کی معراج تو جاں سے گزر جانا ہے۔ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ جو لوگ اپنے بلند
مقاصد کے لیے زندگی وقف کرتے ہیں، تو پھر ان کے لیے جاں کی بازی کوئی معانی نہیں
رکھتی۔ محبوب کی گلی میں اب ایسے حالات بھی نہیں ہیں کہ کوئی سچا عاشق اپنی جان پر کھیل کر وہاں
تک رسائی حاصل نہ کر سکے۔ چنانچہ شاعر اہل دل کو دعوت دیتا ہے کہ آؤ اور سب محبوب کے کوچہ
رعنا کی سمت چلتے ہیں، راستے کی پابندیاں اور کڑے پہرے ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

شعر نمبر 3

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا، وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں

لغت

دھج (شان، انداز)، مقتل (قتل گاہ)، آنی جانی (عارضی، آنے جانے والی چیز)

تشریح

اس شعر کا مفہوم دوسرے شعر کا تسلسل ہے۔ حق گوئی کی خاطر موت کو گلے لگانے والے تاریخ انسانی میں امر ہو جاتے ہیں۔ شاعر کے نزدیک جس بے خوفی اور نرالی آن بان کے ساتھ کوئی شخص قتل گاہ کی طرف جاتا ہے، اس کا وہ انداز: پیش کاری کا منظر: وہ شان و شوکت کا جذبہ، دیکھنے والوں کی آنکھ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو کر رہ جاتا ہے۔ جان کیا ہے؟ یہ تو ایک عارضی شے ہے، جس کا ختم ہو جانا کوئی بڑی بات نہیں، یعنی اصل اہمیت اور توقیر جان لٹا دینے میں نہیں، بلکہ اس انداز اور سج دھج کے انداز میں ہے، جو حصول آرزو کی یادگار بن جائے شاعر کا احساس ہے کہ جب کبھی اہلِ عشق سے جاں کی قربانی طلب کی جاتی ہے، تو سرِ مقتل بھی وہ اپنی آن، بان اور شان کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور پُر وقار طریقے سے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جان، جان آفرین کے سپرد کر دیتے ہیں۔

شعر نمبر 4

میدان وفا دربار نہیں، یاں نام و نسب کی پوچھ کہاں
عاشق تو کسی کا نام نہیں، کچھ عشق کسی کی ذات نہیں

لغت

میدان وفا (وفا کا میدان، ایسی جگہ جہاں وفا کی آزمائش ہو)، نام و نسب (نام اور خاندان)

تشریح

شاعر نے اس شعر میں کسی سلطان کے دربار پر عشق کی سلطنت کو فوقیت دی ہے۔ شاعر کے نزدیک بادشاہوں کے درباروں میں اعلیٰ عہدے منصب خاندان بڑائی اور نام کی شہرت کے سبب عطا ہوتے ہیں، جبکہ عشق کے دربار میں خاندان کے اعلیٰ ہونے یا حسب و نسب کی بلندی اور امتیاز کی کوئی شرط نہیں ہوتی۔ یہاں نام و نسب کا سوال نہیں۔ توقیر کی بلند مسند انھیں ملتی ہے، جو عشق کے راستے کے سچے راہی ہوں، جن کی شہرت اور دل عزیزی میں ظاہری نمود نمائش یا دنیاوی طاقت اور چمک کا عمل دخل نہ ہو، بلکہ جذبہ صادق ہو، کیونکہ عشق وہ مقام ہے۔ جہاں پہنچ کر ذات پات کے امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ یہاں تخت و تاج اور مال و زر کو کوئی نہیں پوچھتا۔

بقول سلیم کوثر:

کبھی عشق کرو اور پھر دیکھو اس آگ میں جلتے رہنے سے
کبھی رنگ خراب نہیں ہوتا، کبھی دل پر آنچ نہیں آتی

لہٰذا یاد رکھو! وفا کا میدان کسی بادشاہ کا دربار نہیں ہے کہ جہاں خاندانی رتبے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ محبت اپنا خاندان اور اپنا قبیلہ خود تخلیق کرتی ہے۔

شعر نمبر 5

یہ بازی عشق کی بازی ہے، جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

لغت

بازی (کھیل)، مات (ہار)

تشریح

کھیل کوئی بھی ہو، اس کا انجام ہار جیت ہے۔ جب بھی کوئی شخص بازی لگاتا ہے، تو عموماً کوئی چیز داؤ پر لگانے سے پہلے، ہار اور جیت ہر دو پہلوؤں کے امکانات پر غور ضرور کرتا ہے۔ اُس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ بازی نہ کھیلے، جس میں ہار کے امکانات زیادہ ہوں۔ لیکن عشق کا کھیل تمام کھیلوں سے یکسر منفرد اور یکتا ہے۔ اس کے اپنے اصول اور قاعدے ہیں۔ یہاں نفع و نقصان کی شراکت داری ممکن ہی نہیں ہے۔ شاعر کا کہنا ہے کہ یہی وہ کھیل ہے، جس میں جو چاہے بے خوف و خطر داؤ پر لگا دو اور یہ نہ سوچو کہ جیت نصیب ہوتی ہے، یا ہار مقدر بنتی ہے، کیونکہ عشق کی بازی روایتی ہار اور جیت سے بے نیاز ہوتی ہے۔ یہاں اگر بظاہر شکست کا سامنا بھی کرنا پڑے گا، تو وہ شکست اپنے معنوی اعتبار سے فتح ہی کا نشان ثابت ہوگی۔ فیض کا فکری رویہ عقل کے مقابلے میں عشق کی برتری کا رویہ ہے۔ ان کا نظریہ عشق اقبال کے طرز شاعری کا پرتو ہے اور وہیں سے فکر فیض نے اکتساب کیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق!
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

☆☆☆☆

AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

(3) احمد ندیم قاسمی

شاعری کی خصوصیات

احمد ندیم قاسمی ترقی پسند شعرا میں ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔ وہ جتنے بڑے شاعر ہیں، اتنے بڑے افسانہ نگار بھی ہیں۔ نظریاتی اعتبار سے اُن کی شاعری اور نثری تحریریں۔ ادب برائے ادب کی بجائے ادب برائے زندگی کی ترجمان ہیں۔ وہ بامقصد اور تعمیری ادب پر یقین رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی شاعری میں انسانی جذبات واحساسات اور مشاہدات وتجربات کی ترجمانی ایک بصیرت یافتہ فن کار کی طرح کی ہے۔ ان کی باریک بین اور دوررس نگاہوں کو صورت واقعہ کے عقب میں جھانک کر منطقی نتیجہ اخذ کرنے پر قدرت حاصل ہے۔ اِس حوالے سے وہ حقائق کے ترجمان ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کی اندورنی کیفیات کے بہترین عکاس بھی ہیں۔ ان کی نثری تحریروں میں بھی محبت کی شدت کا شاعرانہ احساس ہے۔

شاعری کے اہم موضوعات

ان کی شاعری کے اہم موضوعات میں انسان دوست جذبے کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ اُن کے نزدیک کائنات کی سب سے اہم اور مقدم چیز خود انسان ہے۔ وہ انسان کی عظمت کے قائل ہیں اور انسان کی توقیر اور حرمت کو ہر چیز پر مقدم دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا مشاہدہ وسیع اور نظر عمیق ہے۔

فطری بے ساختہ پن

اُن کی شاعری میں فطری بے ساختہ پن اور زندگی کے رویوں کا حقیقت پسندانہ تجزیہ ملتا ہے۔ وہ سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ طبقاتی ناہمواری انسانی عظمت، محبت کی نارسائی اور سامراجی تشدد کے حوالے سے ان کا لہجہ اور آہنگ ہم عصر شعرا سے منفرد ہے۔

غزل "احمد ندیم قاسمی"

شعر نمبر 1

کچھ غلط بھی تو نہیں تھا مرا تنہا ہونا
آتش و آب کا ممکن نہیں یکجا ہونا

لغت

کچھ غلط بھی تو نہیں تھا (درست تھا)، آتش و آب (آگ اور پانی)

تشریح

اِس شعر میں شاعر نے محبوب محب کو آگ اور پانی قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر محبوب سے جدا ہو کر اکیلا رہ گیا ہوں، تو یہ کوئی انہونی بات ہرگز نہیں ہے، کیونکہ میرا محبوب اپنے مزاج اور جمال ہر دو اعتبار سے آگ کی سی تپش اور گرمی رکھتا ہے، جبکہ میں پانی ہوں، دونوں چیزیں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ شاعر جو ایک سچا عاشق ہے، یہ نہیں چاہتا کہ اس کے معشوق کے حسن کی آگ ٹھنڈی پڑ جائے، وہ ہر حال میں اُسے روشن دیکھنا چاہتا ہے اور اس کے لیے اُس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو محبوب سے جدا کر لیا ہے تاکہ آتش عشق جلتی رہے دوسرا یہ کہ۔ جدا رہ کر بھی تعلق برقرار رکھا جا سکتا ہے کہ عشق میں قرب کا حصول ضروری نہیں ہوتا۔

شعر نمبر 2

ایک نعمت بھی یہی، ایک قیامت بھی یہی
روح کا جاگنا اور آنکھ کا بینا ہونا

لغت

قیامت (مصیبت)، بینا (دیکھنے والی)

تشریح

شاعر نے روح کے جاگنے اور آنکھ کے بینا ہونے کو خدا کی ایک نعمت قرار دیا ہے اور اس نعمت کا اقرار کرتے ہوئے آنکھ کی اُس روشنی کو، جس کی بدولت 'آگہی' نصیب ہوتی

ہے، اُسے ایک طرح کی مصیبت سے بھی تعبیر کیا ہے، کیونکہ جب دل کی
تو اشیا کی اصلیت سامنے آجاتی ہے۔ گویا آنکھ بینا ہو اور روح جاگ رہی ہو تو یہ ایک بہت
بڑی نعمت بھی ہے اور بہت بڑی اذیت بھی کیونکہ اچھی شے کی حقیقت سامنے آتی ہے تو دل
خوشی سے جھوم جھوم جاتا ہے، جبکہ بُری شے کی اصلیت دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ گویا
اشیا سے متعلق جان لینا اور آگہی اور صداقت کا مل جانا خوشی و شادمانی ہی کا موجب نہیں بنتا
بلکہ، عذاب و بے چینی کا سبب بھی بنتا ہے۔

شعر نمبر 3

جو بُرائی تھی، مرے نام سے منسوب ہوئی
دوستو! کتنا بُرا تھا، مرا اچھا ہونا

تشریح:

شاعر ایک ایسے ماحول میں بسنے پر مجبور ہے، جہاں برائی ہی برائی ہے، لہٰذا اُس
اکیلے کے اچھا ہونے کا نتیجہ اُس کے حق میں بُرا نکلا ہے۔ شاعر اخلاقی قدروں کے زوال
پر اداس ہے۔ اُسے دکھ ہے کہ نیکی کرنے کے صلے میں اُسے ملامت اور تنقید کا سامنا کرنا پڑ رہا
ہے، حالانکہ بقولِ شاعر مجھے دوستوں سے اس سلوک کی توقع ہرگز نہ تھی۔ لفظ 'دوستو' کا تخاطب
اِس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے شاعر اپنے حلقہ احباب سے شاکی ہے، جو اُس کے ہر اچھے
فعل کو بھی برا بنا کر پیش کرتے ہیں۔

دراصل شعر کی تہہ میں یہ مفہوم چھپا ہے کہ معاشرے میں اخلاقی قدروں کو زوال
آ گیا ہے برائی کی جڑیں سماج کے سینے میں اس بُری طرح پیوست ہو چکی ہیں کہ اب کسی
انسان کا اچھی شہرت رکھنا، اُس کے لیے برائی اور رسوائی کا سبب بن گیا ہے۔

شعر نمبر 4

قعرِ دریا میں بھی آنکلے گی سورج کی کرن
مجھ کو آتا نہیں محروم تمنا ہونا

لغت

قعرِ دریا (دریا کی گہرائی)، محروم تمنا ہونا (آرزو کا جاتے رہنا، تمنا کھو دینا)

تشریح

اس شعر میں ایک رجائی نقطہ نظر نمایاں ہے۔ شاعر بہت پُر امید دکھائی دیتا ہے، اُسے یقین ہے کہ دریا کی سب سے نچلی سطح کی تاریکی سے بھی سورج کی کوئی کرن پھوٹ سکتی ہے۔ یہاں کرن اُمید، زندگی اور توانائی کا استعارہ ہے۔ شاعر روشنی کی ننھی کرن کو علامت بنا کر دراصل یہ واضح کر دینا چاہتا ہے کہ اُس کا دامن ابھی امید سے خالی نہیں ہوا، کیونکہ اُس کے دل میں آرزو زندہ ہے، منزل کی جستجو باقی ہے۔ شاعر نے امنگ کو مرنے نہیں دیا کہ یہی امنگ اُسے بدترین حالات میں بھی جینے کا حوصلہ بخشتے ہوئے ہے اور اسی امنگ اور تمنا نے اُسے یہ امید بھی دلائی ہے کہ ضرور کہیں نہ کہیں سے سورج کی کوئی کرن آ نکلے گی۔ اُسے یقین ہے کہ سحر طلوع ضرور ہوگی۔

شعر نمبر 5

شاعری روز ازل سے ہوئی تخلیق ندیم
شعر سے کم نہیں انسان کا پیدا ہونا

لغت

روز ازل سے (ابتدا ہی سے، تخلیق کائنات کے لمحے سے) تخلیق ہونا (پیدا ہونا)

تشریح

ارشاد ربانی ہے کہ میں نے کائنات کو ایک خاص ترتیب اور توازن سے پیدا کیا ہے اور پھر دعوت دی ہے کہ کوئی ہے جو اس کائنات میں کسی قسم کا نقص یا عیب نکال سکے؟ نظام قدرت پر غور کیا جائے، تو کھلتا ہے کہ کائنات میں موجود ہر چیز ایک مقررہ حد اور ضابطے کے تحت سفر کر رہی ہے۔ دن اور رات کا بدلنا، چاند سورج اور سیاروں کا گردش میں رہتے ہوئے بھی ایک خاص وقت کا پابند ہونا گویا قدرت کے سبھی مظاہر ایک نظام کار کے اصول پر کاربند ہیں۔ یہی توازن اور یہی ترتیب کا حسن، شعر کی تخلیق کے لئے بھی لازمی ہے۔ شاعری اور کائنات گویا روز اول ہی سے ہم آہنگ اور ہم دم ہیں۔ رب کائنات نے انسان کو اپنا نائب قرار دے کر اُسے اشرف المخلوقات کے عظیم رتبے پر فائز کیا ہے، گویا انسان کی تخلیق، شعر کی تخلیق سے کم نہیں ہے کیونکہ شاعری کا ظہور، یعنی جذبات و احساسات کے اظہار کی خوبی اور خود انسان کا اس عالم رنگ و بو میں ظہور کرنا دونوں عظیم واقعے ہیں۔ اس شعر میں شاعر نے عظمت انسان کا اظہار کیا ہے۔

AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

(۴) ناصر کاظمی

حالاتِ زندگی

ناصر کاظمی 8 دسمبر 1925ء کو محلہ قاضی واڑہ، انبالہ شہر میں سید محمد سلطان کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سید ناصر رضا تھا، جبکہ ناصر کاظمی کے نام سے اردو ادب میں معروف ہوئے۔ ان کی والدہ کشمیری تھیں۔ انبالہ شہر میں مشن گرلز اسکول کی معلمہ تھیں۔

تعلیم

پانچویں جماعت تک والدہ کے زیرِ سایہ مشن گرلز اسکول میں پڑھا۔ قرآن حکیم پڑھنے کے بعد گلستان، بوستان، شاہنامہ فردوسی، قصہ چہار درویش، فسانہ آزاد اور الف لیلیٰ جیسا ادب عالیہ ان کے زیرِ مطالعہ رہا۔ آٹھویں جماعت میں پنجاب مڈل کا امتحان ضلع شملہ کے ایک اسکول سے پاس کیا۔ نویں دسویں جماعت [illegible] سے پاس کیں۔ تقسیم ہند کے بعد وہ اپنے خاندان کے ہمراہ لاہور ہجرت کر آئے۔ [illegible] سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ بی اے کے طالب علم تھے کہ [illegible] کی وجہ سے تعلیم مکمل نہ کر سکے۔ دورانِ تعلیم ہی شاعری کا باقاعدہ آغاز کر چکے تھے۔ 1953ء میں [illegible] ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ ابتدا میں کچھ عرصہ محکمہ [illegible] سے وابستہ رہے۔

ادبی خدمات

1950ء میں اوراقِ نو کے مدیر کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ جو تقریباً ایک برس تک جاری رہا۔ پھر مئی اکتوبر 1952ء سے جنوری 1957ء تک ہمایوں ادبی جریدے کے جوائنٹ ایڈیٹر رہے۔ رسالہ ہم لوگ کے نائب مدیر بھی رہے۔ خیال کے نام سے ذاتی ادبی رسالے کا اجرا بھی کیا، جو کچھ ہی عرصہ جاری رہ کر بند ہو گیا۔ یکم اگست 1964ء کو ریڈیو

پاکستان لاہور سے بطور اسٹاف آرٹسٹ منسلک ہوئے۔

تصانیف

ان کی نمایاں کتابوں کے نام یہ ہیں: ''نشاط خواب، خشک چشمے کے کنارے، دیوان، برگ نے، پہلی بارش، سر کی چھایا'' وغیرہ۔

شاعرانہ مقام

قیام پاکستان کے فوراً بعد نمایاں ہونے والے اُردو غزل گو شعرا میں ناصر کاظمی کا شمار الگ اور منفرد حیثیت سے سامنے آتا ہے۔ معتبر قارئین نے ان کو جدید غزل کے اہم ترین شعرا کی صف میں شامل کیا ہے۔ ابتدا میں انہوں نے نظمیں بھی لکھیں، مگر چونکہ ان کا مزاج غزل کے زیادہ قریب تھا، اس لئے قدرتی طور پر غزل ہی کی صنف میں ان کے تخلیقی جوہر نسبتاً بہتر اور موثر انداز میں ظاہر ہوئے اور ان کے اثرات بعد کی نسل نے بھی قبول کیے۔

شاعری کی خصوصیات

ناصر کی غزل ہم عصر رجحانات اور میلانات کی امین ہے۔ انہوں نے ہجرت کے موضوع کو نہایت پر اثر اور پُر درد اسلوب میں ڈھالا ہے جس میں ان کا ذاتی تجربہ بھی شامل ہے۔

رنگ میر

ناصر کے شعری مزاج میں وہی سادگی، دردمندی، سبک خرامی، لہجے کے سوز و گداز اور مترنم، مگر دھیمے پن کی تہذیب ملی ہوئی ہے، جو خدائے سخن میر تقی میر کی غزلوں کی اہم ترین صفت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ واردات قلبی، نقل مکانی کے نتیجے میں پیدا ہونے والی اداسی اور زمانہ کی ستم گری کے بیان میں ناصر کا رنگ شاعری، میر کے رنگ شاعری کی جھلک پیش کرتا ہے۔

انفرادیت کے رنگ

ناصر کاظمی نے میر کا تتبع تو کیا، مگر اپنی انفرادیت کے نقش بھی اُجاگر کیے۔ چھوٹی، مگر مترنم بحروں کے استعمال سے ان کے ہاں اسلوب کے نئے رنگ واضح ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

شاعری کے موضوعات

ان کی شاعری کے دو اہم ترین موضوعات ہیں۔ ایک تقسیم ملک کے المیے کا بیان اور

دوسرا سقوط ڈھاکہ کا دکھ۔ گویا ایک سانحے سے ان کی شاعرانہ حسیت کا آغاز ہوتا ہے۔ اور پھر اس پر اختتام، اسی سبب سے ان کی غزل کے باطن میں ایک گہری اداسی، ایک مسلسل محرومی اور ایک کبھی نہ ختم ہونے والی دل سوزی و دردمندی کی لہر دوڑتی محسوس ہوتی ہے۔

رجائیت پسندی

اگرچہ شاعر کی داخلی کائنات پر افسردگی کا رنگ طاری ہے تاہم وہ غم کی اتھاہ گہرائیوں سے بھی کہیں نہ کہیں اُجالے کی کرن پھوٹنے کا منتظر دکھائی دیتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ آج نہیں، تو کل صبح کا اُجالا ضرور پھیلے گا۔ مایوسیوں کی فضا میں امید کی کرنوں کا [illegible] شاعر مایوسی کی کیفیت سے نکلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور یوں اس کا لہجہ کہیں کہیں رجائیت پسند بھی ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

غزل "ناصر کاظمی"

شعر نمبر 1

کسی کلی نے بھی دیکھا نہ آنکھ بھر کے مجھے
گزر گئی جرس گل، اداس کر کے مجھے

لغت

آنکھ بھر کے دیکھنا (مکمل توجہ سے دیکھنا) جرس گل (پھولوں کے قافلے کی گھنٹی مراد ہے پھول کھلنے کی آواز یا چٹک)

تشریح

ناصر کاظمی کے ہاں اداسی اور ویرانی کا احساس قدم قدم پر ملتا ہے۔ اپنی غزل کے اس مطلع میں وہ یہی رویہ ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ بہار کا موسم جہاں ایک طرف مسرت اور تازگی کا احساس لاتا ہے، وہاں جنوں و دیوانگی کی کیفیت میں مبتلا عاشق جاں سوز کے لئے نئی تڑپ اور کسک کا اعلان نامہ بھی ہوتا ہے۔ سودائی لوگ دیوانہ وار بہار کی حشر سامانیوں کا سامنا

Joher Videos
USMAN NOTES
www.usmannotes.com

کرتے ہیں، تو ان کی وحشت کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

شاعر جو پہلے ہی دردمندی میں کٹی ساری حیاتی اپنی کی مثال بن کر جی رہا تھا۔ بہار آئی، تو اس کی اداسیوں اور بے قراریوں میں مزید اضافہ کر گئی۔ وہ اندر کی بے چینی اور کرب کی شدت کو کم کرنے کی غرض سے باغ کی جانب چل دیا، مگر باغ کی کسی کلی نے بھی اس کی طرف توجہ اور پیار سے نگاہ نہیں کی۔ ایسے میں شاعر کو یوں لگا جیسے پھول جو شگفتگی کا استعارہ ہے اور کلی جو تازگی کی علامت ہے، شاعر کے لئے افسردگی بڑھانے کا سبب بن گئے۔

شعر نمبر 2

میں سو رہا تھا کسی یاد کے شبستاں میں
جگا کے چھوڑ گئے قافلے سحر کے مجھے

لغت

شبستان (رات ٹھہرنے کی جگہ)

تشریح

اس شعر میں شاعر نے محبوب کی یاد میں کھوئے رہنے کو حوالہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اپنے محبوب کی کسی سہانی یاد کی خواب گاہ میں، وصال کے لطف سے سرشاری کے عالم میں تھا کہ اچانک اُس کے حسین خواب کا جادو ٹوٹ گیا۔ وقت کے گزرنے کا احساس تک نہیں ہوا اور صبح ہوگئی۔ صبح دم جب قافلے والوں نے اُسے بیدار کر دیا، تو اس کا شبستان خیال چکنا چور ہوگیا۔ وہ یادوں میں کھویا رہنا چاہتا تھا، کیوں کہ ان یادوں کے دم قدم سے اُس کی زندگی میں رونق باقی تھی۔ گویا ان یادوں، وعدوں اور امیدوں کے سہارے زندگی بسر کرنا۔ حال کو حسین تر بنا دیتا ہے۔ خواب حسین ہو، تو بیدار ہونا کسے اچھا لگتا ہے۔ شبنم رومانی کا شعر ہے۔

نجانے کون دبے پاؤں خواب میں آیا
کھلی جو آنکھ تو خوشبو سے بس رہا تھا مکاں

شعر نمبر 3

میں رو رہا تھا مقدر کی سخت راہوں میں
اڑا کے لے گئے جادو تری نظر کے مجھے

لغت

مقدر کی سخت را، میں (مراد ہے زندگی کی کٹھن منزلیں) اڑا کے لے گئے (اٹھا کے لے گئے، بہا لے گئے، ساتھ لے گئے)

تشریح

شاعر اپنے محبوب کی جادو کر دینے والی نگاہوں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں اپنے غموں، دکھوں، محرومیوں اور ناکامیوں پر آنسو بہا رہا تھا اور اپنی بدنصیبی سے گلہ مند تھا کہ ایسے میں کسی شوخ کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اُس کی نظر میں بلا کا جادو تھا کہ میری بدنصیبی کے دن پھر گئے، میری قسمت ہی بدل گئی، اور میں زمانے کے سارے غم و آلام بھول کر صرف اُسی کی مستانہ نگاہ کا منظور نظر بن گیا، مجھے دنیاوی غموں سے چھٹکارا مل گیا۔ اور زندگی کی مشکل راہوں سے کسی کی مستانہ نظر، مجھے اڑا کر اپنے ساتھ لے گئی۔

گویا بقول میر درد:

دونوں جہان کی نہ رہی پھر خبر اُسے
دو پیالے تیری آنکھوں نے جس کو پلا دیئے

شعر نمبر 4

میں تیرے درد کی طغیانیوں میں ڈوب گیا
پکارتے رہے تارے اُبھر اُبھر کے مجھے

تشریح

شاعر کا کہنا ہے کہ جس طرح دریا میں طغیانی آتی ہے، تو اُس کی شدت کے آگے ہر چھوٹی بڑی چیز اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے، اسی طرح اے میرے محبوب! میں بھی رات بھر تیری محبت کے بخشے ہوئے درد کے دریا کی طغیانی میں گم رہا۔ مجھے تیرے خیال اور تیری جستجو کے سوا کچھ بھی یاد نہ تھا۔ مجھے تیری یاد مسلسل بے چین کیے ہوئے تھی، مگر درد کے انہی لمحوں میں آسمان پر روشن ستاروں نے مجھے چمک چمک کر اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا، لیکن میرے لئے تاروں کی روشنی

تمہارے غم کی روشنی سے زیادہ عزیز نہ تھی کہ میں ان کی طرف متوجہ ہوتا۔

شعر نمبر 5

ترے فراق کی راتیں کبھی نہ بھولیں گی
مزے ملے انھی راتوں میں عمر بھر کے مجھے

لغت

فراق (محبوب سے جدائی کا عرصہ، بچھڑ جانے کی کیفیت)

تشریح

محبت میں خلوص کا عنصر شامل ہو، تو جدائی کی حالت میں بھی اپنے پیاروں کو انسان دل اور روح کے قریب محسوس کرتا ہے۔ وصل کی حالت اگرچہ ایک عاشق کے لئے مسرت و شادمانی لاتی ہے، مگر ہجر کے لمحوں میں آنے والی لذت کا بھی اپنا ہی لطف ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے کہ اے میرے محبوب! تیرے ہجر میں بسر کی گئی راتوں کا سرور اور میٹھا میٹھا درد مجھے کبھی نہیں بھولے گا کیونکہ اس درد اور کرب کی کسک نے مجھے محبت میں جینے کا لطف اور مزہ دیا ہے۔ میں نے عرصہ حیات میں تجھ سے جدا رہ کر بھی ایک لذت اور لطف محسوس کیا ہے۔ تمہارے ہجر کا غم، غم نہیں رہا کہ اسی غم سے تمہارے وصل کی خوشی پھوٹے گی۔ شاعر نے ہجر و فراق سے وابستہ غم کے فلسفے اور اس کی روایت کے معانی بدل دیئے ہیں۔ اس اعتبار سے زیر نظر شعر نے بعد میں آنے والے غزل گو شعراء کی فکر کی سطح پر متاثر کیا ہے۔

شعر نمبر 6

ذرا سی دیر ٹھہرنے دے اے غم دنیا
بلا رہا ہے کوئی بام سے اتر کے مجھے

لغت

اے (حرف ندا ہے)، بام (چھت کے اوپر کا حصہ)

تشریح

شاعر کی ذاتی زندگی ہجرت کے ایک بڑے تجربے سے گزری ہے۔ اُس نے اپنے

خاندان کے افراد کے ساتھ قیام پاکستان کے بعد اپنے آبائی وطن انبالہ سے پاکستان لے سہر لاہور کی طرف ہجرت کی تو شاعر کو غم روزگار اور غم جاناں کی کشمکش کے عجیب مرحلے سے دوچار ہونا پڑا۔ ایسے میں شاعر کہتا ہے کہ اے غم دنیا! میں تیرے ساتھ بھی ہولوں گا مگر کچھ دیر کے لئے تو مجھے اپنے محبوب کے پاس ٹھہرنے کی مہلت دے دے، یہاں لفظ ''کوئی'' نے شعر میں جو حسن معانی پیدا کیا ہے۔ وہ قابل غور ہے۔

شعر نمبر 7

پھر آج آئی تھی اک موجۂ ہوائے طرب
سُنا گئی ہے فسانے اِدھر اُدھر کے مجھے

لغت

موجہ ہوائے طرب (خوشی کی لہر)، فسانے (کہانیاں)

تشریح

شاعر نے برصغیر کی تقسیم کے وقت جس طرح کے خون خرابے، خود غرضی، افراتفری اور انسانی قدروں کی پامالی کے مناظر دیکھے تھے۔ وہ سب کچھ ایک حساس اور دردمند فن کار کی طرح اس نے بھی محسوس کیا۔ یہی سبب ہے کہ جب شاعر دل میں خوشی کی لہر محسوس کرتا ہے، تو اُس موجہ ہوائے طرب میں بھی غم کی شدت چھپی ہوتی ہے۔ اُس کے نزدیک خوشی کی لہر عارضی ہوتی ہے اور اسکی حیثیت ایک فسانے سے زیادہ نہیں ہوتی۔

☆☆☆☆

AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلیے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلیے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com

(۵) شکیب جلالی

حالاتِ زندگی

شکیب جلالی بھارت کے قصبہ جلالی میں یکم اکتوبر 1934ء میں سید صفیر حسین رضوی کے گھر پیدا ہوئے۔ ان کا اصل نام سید حسن رضوی تھا۔ انہوں نے چودہ سال کی عمر میں شاعری کا آغاز کیا۔ شکیب جلالی کا شمار اُن افراد میں ہوتا ہے، جن پر چھوٹی عمر ہی میں خاندان کی کفالت کا بوجھ آ پڑتا ہے۔ والد کی وفات کے بعد شکیب اور اُن کی چار بہنوں کو ان کے ماموں نے اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ یہ سب لوگ راولپنڈی آ گئے۔ شکیب میٹرک کرنے کے بعد ملازمت کی جستجو میں لگ گئے۔ وزارت اطلاعات ونشریات کے شعبہ تعلقات عامہ سے وابستہ تو ہوئے، مگر ان کے خاندان کی مالی حالت تسلی بخش نہ ہوسکی۔ ہمت شکن حالات میں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔ لاہور سے بی اے کیا اور پھر تھل ڈیولپمنٹ اتھارٹی سے وابستہ ہوگئے۔ جوہر آباد (خوشاب) اور چکر وغیرہ میں کچھ عرصہ قیام کیا۔ حالات کی مسلسل ناسازگاری نے شکیب کو زندگی سے اس قدر بے زار کردیا تھا کہ بالآخر انہوں نے 32 سال کی عمر میں خودکشی کرلی اور سرگودھا میں دفن ہوئے۔

ادبی خدمات

ان کی وفات کے بعد اگست 1972ء میں، ان کا شعری مجموعہ ''روشنی اے روشنی'' کے نام سے احمد ندیم قاسمی نے مکتبہ فنون کے زیر اہتمام شائع کیا، جسے جدید اُردو غزل کی روایت میں سنگ میل کی حیثیت حاصل ہوئی۔

شکیب جلالی قیام پاکستان کے فوراً بعد اُردو کے جدید شعری منظر نامے پر اُبھرنے والے ایک ایسے شاعر ہیں، جنہوں نے اپنی تخلیقی توانائی کے زور پر بہت جلد شعری حلقوں میں

اپنا اعتبار قائم کر لیا۔ فکر انگیز موضوعات سے مزین۔ ان کا اولین حوالہ روشنی اے روشنی، نئی اُردو غزل کا امتیاز بنا۔ تشکیب کے پیش کردہ شعری نمونوں میں عموماً استعاروں، تشبیہوں اور مختلف تراکیب کے ذریعے خیال کی کوئی بیانیہ روتصویری پیکر میں ڈوبتی اُبھرتی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید اُردو غزل کے بیان میں ان کا تذکرہ خصوصی احترام سے کیا جاتا ہے۔ جدید غزل کو پیکر تراشی کے حوالے سے کامیاب بنانے والوں میں ان کا نام اور کام خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔

☆☆☆☆

غزل "تشکیب جلالی"

شعر نمبر 1

جس قدر نزدیک وہ چھپاتے ہیں
لوگ گرویدہ دیکھے جاتے ہیں

لغت

وہ (مراد ہے محبوب) گرویدہ ہونا (عاشق ہونا، فدا ہونا)

تشریح

شاعر نے بہت سادہ اور براہ راست انداز میں ایک بڑی اور گہری حقیقت کا راز عیاں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اشیا ہوں یا قدرت کے پوشیدہ راز، ظاہری حسن ہو یا پردے میں چھپا کوئی نور کا ٹکڑا، وہ اسی وقت تک پرکشش ہے جب تک وہ پردے میں مستور رہے۔ جب وہ ظاہر ہو جائے، تو اُس کا حسن بے معنی ہو جاتا ہے۔ شاعر کے نزدیک حسن کی دل کشی اور رعنائی کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ خود کو پردے میں چھپا کر رکھتا ہے اور یہی بات لوگوں کی گرویدگی کا باعث بن جاتی ہے۔

شعر نمبر 2

جو بھی ہمدرد بن کے آتے ہیں
غم کا احساس ہی جگاتے ہیں

تشریح

اس شعر میں شاعر نے ایسے نام نہاد غم گساروں پر طنز کیا ہے جو بظاہر ہمدرد بن کر آتے ہیں، مگر درحقیقت وہ غم کے احساس کو اور بڑھا جاتے ہیں۔ انسانی زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں، جب انسان غم کے احساس سے خود کو بوجھل محسوس کرتا ہے، اُس کی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ایسا غم خوار آئے، جو اُس کے زخموں پر مرہم رکھے، اُس کا سہارا بنے، مگر اُسے جن قریبی احباب سے ہمدردی کی توقع ہوتی ہے، وہی اُس کے درد و غم کی شدت میں اضافے کا سبب بن جاتے ہیں۔ غم گساری کی آڑ میں غموں کی شدت میں اضافہ کرنے والے ایسے ہی لوگوں کے بارے میں احمد فراز نے کہا ہے کہ

یہ انتقام بھی لینا تھا زندگی کو ابھی
جو لوگ دشمنِ جاں تھے وہ غم گسار ہوئے

شعر نمبر 3

عہدِ ماضی کے زر فشاں لمحے
شدتِ غم میں مسکراتے ہیں

لغت

عہدِ ماضی (گزرا ہوا زمانہ) زرفشاں لمحے (موتیوں جیسے چمکنے والے لمحات)

تشریح

شاعر نے گزرے ہوئے لمحوں کو زرفشاں کہا ہے یعنی ایسے لمحے جو موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔ غمناک لمحوں کا بہترین علاج یہی ہے کہ انہیں گزرے ہوئے وقت کے یادگار لمحوں کے تصور سے خوشگوار بنا دیا جائے۔ ایسے میں انسان غم کی حالت میں رہ کر بھی خوشی کی سی کیفیت میں رہتا ہے کہ سنہرے ماضی کی یادیں اُسے خوشگوار بنا دیتی ہیں۔

شعر نمبر 4

خود کو بدنام کر رہا ہوں میں
ان پہ الزام آتے جاتے ہیں

کسی بھی شخص پر الزام تراشی خود کو بدنام کرنے کے مترادف ہوتی ہے۔ یہاں
نے اسی خیال کی ہم نوائی کی ہے کہ اگر دوستوں کے حلقے میں کوئی ایک شخص بدنامی کا باعث بن
جائے، تو پھر اُس کے ہم نوا اور ہم دم بھی بدنامی کی زد میں آ جاتے ہیں۔ شاعر کو یہ افسوس ہے
کہ وہ محبت کے معاملات میں رُسوا ہوا ہے، مگر اس کی رسوائی اس کے محبوب کی رسوائی کا سبب
بن گئی ہے۔

شعر نمبر 5

اجنبی بن کے جی رہا ہوں میں
لوگ مانوس ہوتے جاتے ہیں

تشریح

شاعر اپنے اردگرد کے ماحول میں خود کو ایک اجنبی سمجھ رہا ہے۔ شاعر کے نزدیک یہ
عجیب بات ہے کہ وہ اپنے ماحول سے بیگانہ ہے مگر اس کے باوجود لوگ ہیں کہ وہ اُس سے
مانوس ہوتے جا رہے ہیں۔ اس شعر کا مفہوم غزل کے مطلع سے ہم آہنگ کر کے دیکھیں تو بات
کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ جتنا کوئی بیگانہ ہوتا ہے، اتنا ہی اُسے اپنا سمجھا جاتا ہے، یعنی دنیا
سے کوئی جس قدر دُور بھاگتا ہے دنیا اسی قدر اُس کا تعاقب کرتی ہے۔

AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلئے ہمارے یوٹیوب
چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ
اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلئے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com

(۶) احمد فراز

حالات زندگی

احمد فراز 1931ء کو نوشہرہ میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام سید محمد شاہ برق تھا۔ شاعری انہیں ورثے میں ملی۔ ان کے خاندان کا تعلق کوہاٹ کے ایک سید گھرانے سے تھا۔ اسلامیہ ہائی اسکول کوہاٹ سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد کنگ ایڈورڈز کالج پشاور اور پشاور یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہے، جہاں سے انہوں نے ادبیات اُردو اور فارسی میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

ادبی خدمات

شعری زندگی کا آغاز نویں جماعت سے کیا اور پہلا شعری مجموعہ ''تنہا تنہا'' کے نام سے 1958ء میں منظر عام پر آیا۔ اس کے علاوہ کوئی چودہ شعری مجموعے شائع ہوئے، احمد فراز کی چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں۔ ''تنہا تنہا، درد آشوب، نایافت، شب خون، میرے خواب ریزہ ریزہ، جاناں جاناں، پس انداز موسم، غزل بہانہ کروں، اے عشق جنوں پیشہ''

شاعری کی خصوصیات

احمد فراز کا شمار چند ایسے نمائندہ شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے نظم اور غزل ہر دو اصناف میں اپنی بے پناہ تخلیقی قوتوں کا لوہا منوایا اور مقبولیت اور ہر دل عزیزی کی ایسی منزل سر کی، جو ہر کسی کا مقدر نہیں ہوتی۔ احمد فراز ایک صاحب اسلوب شاعر ہیں، جن کے لب و لہجے لفظیات اور پیرایۂ اظہار کی تازگی اور رعنائی اپنی شناخت کے واضح رنگ رکھتی ہے۔ ان کا ہر شعر، ہر عہد میں روا رکھے جانے والے جبر و ستم، ناانصافی، سماجی و سیاسی ابتری، دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور صاحبان اقتدار کے بے رحمانہ رویے کا مرثیہ ہے۔ ان کے اشعار دل میں اُتر

جا

تغزل کی جملہ رعنائیاں موجود ہوتی ہیں۔ انہوں نے حسن و عشق سے وابستہ [illegible]
خوبصورتی کے ساتھ کلاسیکی طرز احساس، لفظیات اور دلکش طرز اسلوب سے بیان کیا ہے۔ ان کا طرز بیان فارسی زبان و ادب سے گہرے تعلق اور رومان و انقلاب کا حسین امتزاج پیش کرتا ہے۔

وفات

احمد فراز نے 2008ء میں وفات پائی اور اسلام آباد میں دفن ہوئے۔

☆☆☆☆

غزل "احمد فراز"

شعر نمبر 1

گلہ فضول تھا عہد وفا کے ہوتے ہوئے
سو چپ رہا، ستم ناروا کے ہوتے ہوئے

تشریح

عہد کی پاسداری ہی اصل میں انسان کی اخلاقی اور شخصی عظمت کی نشانی ہے، جو شخص اپنے کیے ہوئے وعدے یا عہد پر قائم نہیں رہ سکتا، وہ شخص کسی اعتبار کے لائق نہیں ہوتا۔ ایسے بدعہد شخص کے ساتھ زندگی کی منزل طے کرنے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ وفا کے تقاضوں کا اصول ہی یہی ہے کہ وعدوں کی پاسداری کی جائے اور جواب میں دل پر چوٹ بھی پڑے تو خاموشی اختیار کی جائے۔ اور شکوہ و شکایت سے گریز کیا جائے۔ اسی موضوع کو قتیل شفائی نے یوں بیان کیا ہے۔

سنا ہے اس کو محبت دعائیں دیتی ہے
جو دل پہ چوٹ تو کھائے، مگر گلہ نہ کرے

شعر نمبر 2

یہ قربتوں میں عجب فاصلے پڑے کہ ہمیں
ہے آشنا کی طلب، آشنا کے ہوتے ہوئے

تشریح

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات قریب ترین سطح پر رہنے والوں کے دلوں کے درمیان بھی کچھ ایسی دوریاں آ جاتی ہیں، کہ تنہائی اور نا آشنائی کا احساس بڑھنے لگتا ہے اور سب آشناؤں کے ہوتے ہوئے بھی کسی ایسے آشنا کی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے کہ جو تنہائی اور دکھ کے لمحوں میں عارضی ہی سہی، ایک طرح کا سہارا دکھائی دے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان کسی کے قریب ہوتے ہوئے بھی اس سے ذہنی اور فکری و جذباتی سطح پر بہت دور بس رہا ہوتا ہے۔ اس میں تنہائی اور نارسائی کا احساس بڑھنے لگتا ہے اور وہ کسی درد آشنا کی ضرورت محسوس کرنے لگتا ہے۔

شعر نمبر 3

نہ کر کسی پہ بھروسہ کہ کشتیاں ڈوبیں
خدا کے ہوتے ہوئے، ناخدا کے ہوتے ہوئے

تشریح

زیر نظر شعر میں شاعر نے انتہائی مشکل کی گھڑی میں کسی پر بھی مکمل بھروسہ نہ کرنے کا درس دیا ہے۔ کہ اے دوست اگر تجھے دریا کا سفر درپیش ہے اور تو کشتی کا سوار ہے، تو ناخدا پر بھروسہ نہ کرنا۔ کیونکہ جو شخص تیری ناؤ کا ناخدا اور راہنما بنا ہوا ہے ممکن ہے وہ تجھے موجوں کے تھپیڑوں کے عین بیچ میں چھوڑ دے۔ گویا شاعر شعر کے پردے میں اپنے قاری کو یہ نصیحت کرتا ہے کہ اپنے زور بازو پر بھروسہ کرنا اور کسی بھی سہارے کو اپنے لیے منزل نہ بنانا، ورنہ بیچ منجدھار کے مارے جاؤ گے۔

شعر نمبر 4

مگر یہ اہل ریا کس قدر برہنہ ہیں
گلیم و دلق و عبا وقبا کے ہوتے ہوئے

تشریح

یہ جو منافقوں کے لباس میں ملبوس ہیں، باطنی طور پر کتنے ننگے ہیں۔ کسی طرح کا لباس بھی ان کے جسم اور روح کو نہیں ڈھانپ سکتا۔ زیر نظر شعر میں شاعر نے ریاکاری کرنے

والوں پر شدید طنز کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے منافق لوگوں کا اندر [illegible]
وہ ہر طرح کے لباس کے ہوتے ہوئے بھی ننگے دکھائی دیتے ہیں۔ گلیم، دلق، عبا، قبا، سبھی الفاظ لباس اور ستر پوشی سے معنوں میں آئے ہیں۔ یہاں شاعر نے علامتی انداز میں ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ وہ لوگ جو دو روپ رکھتے ہیں، وہ کسی بھی طرح چھپائے چھپ نہیں سکتے، اور یہ کہ اصل ننگا پن روح کا ننگا پن ہے۔ ظاہری جسم کو ڈھانپنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علامہ اقبال نے ایسے منافق لوگوں سے صاف کہہ دیا ہے کہ

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ جو مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

شعر نمبر 5

فراز ایسے بھی لمحے کہیں کہیں آئے
کہ دل گرفتہ رہے، دل ربا کے ہوتے ہوئے

تشریح

یہ شعر دراصل اندر کی اس اداسی کی طرف اشارہ کرتا ہے، جب انسان بعض اوقات خوشی پا کر بھی غم کی حالت میں رہتا ہے۔ باہر کیسا ہی سہانا موسم کیوں نہ ہو، باطنی کیفیت پُر ملال رہتی ہے۔ محبوب سے ملاقات کے لمحے اگرچہ بہت تسکین کا باعث رہے۔ مگر دل ربا کے ہوتے ہوئے کبھی کبھی دل گرفتہ بھی ہوئے۔ ایک دوسرے شاعر نے اس موضوع کو یوں بیان کیا ہے۔

ترے قریب رہ کے بھی دل مطمئن نہ تھا
گزری ہے مجھ پہ یہ بھی قیامت کبھی کبھی

☆☆☆☆

Joher Videos

(۷) ظفر اقبال

حالات زندگی

ظفر اقبال 27 ستمبر 1932ء میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے گریجویشن کیا۔ لا کالج میں زیر تعلیم رہے۔ وکالت کو بطور پیشہ اختیار کیا۔ اردو سائنس بورڈ کے ڈائریکٹر جنرل بھی رہے۔ حکومت پاکستان نے ان کی شعری خدمات کے اعتراف میں انہیں صدارتی ایوارڈ برائے حسن کارکردگی سے نوازا۔ ان کی کتابوں کے نام یہ ہیں۔

تصانیف

''آب رواں، گلافتاب، رطب و یابس، غبار آلود سمتوں کا سراغ، سر عام، عیب و ہنر، اطراف، بغاوت، ''اب تک'' کے عنوان سے ان کی شاعری کا کلیات بھی شائع ہو چکا ہے۔

شاعری کی خصوصیات

معاصر اُردو غزل گو شعرا میں ظفر اقبال کی شاعرانہ پہچان اپنے لہجے کے تیکھے پن اور اپنے اظہار کے دوٹوک انداز میں نمایاں ہوئی۔ ظفر اقبال نے مذکورہ شعری مجموعے میں جس نوع کی شاعری کی، اُس سے جدید لسانی تحریک کا احیا ہوا۔ اُن کی غزل شاعری کا ایک خاطر خواہ حصہ، ایسا بھی ہے، جس کی بنیاد پر ہم انہیں جدید اُردو غزل کا ایک نمائندہ شاعر تسلیم کرتے ہیں۔ ان کی غزل کا لب ولہجہ عموماً عام بول چال کا سا ہوتا ہے، جس میں مکالمے کی فضا، اُسے بے تکلف بناتی ہے۔ ان کا اسلوب رواں دواں اور سپاٹ ہوتا ہے۔ اُن کی غزل میں سیدھے سادے انداز میں سچائی کا ادراک سامنے آتا ہے۔ طنزیہ پیرائے میں اُن کا شعور شعر زیادہ چمکتا ہے۔ خیال کی ندرت، بیان کی قدرت، مشاہدے کی تازگی اور زبان کی نزاکت ان کی غزل کے بنیادی اوصاف ہیں۔

☆☆☆☆

غزل ظفر اقبال

شعر نمبر 1

مجھے تیری نہ تجھے میری خبر جائے گی
عید اب کے بھی دبے پانو گزر جائے گی

لغت

دبے پانو (چپکے سے، خاموشی سے) پانو (پاؤں)

تشریح

شاعر نے اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے میرے دوست! تو مجھ سے کتنی دُور ہے، تو نے کبھی ملاقات کے لئے اپنے اندر تڑپ محسوس نہیں کی، جبکہ میں تیری جدائی میں مسلسل تڑپ رہا ہوں، انتظار کرتے کرتے اب تو ایک سال اور بیت گیا ہے، ایک اور عید کا موقع آ گیا ہے۔ عید کا تہوار خوشی اور ملن کی خوش خبری لاتا ہے، لیکن یہ کیسی عید ہے کہ نہ تمہیں میری کیفیت کا اندازہ ہے، نہ مجھے تمہاری حالت کا پتا ہے جدائی اور فراق کے ان لمحوں میں عید جیسا پُر مسرت تہوار بھی خاموشی سے گزر جائے گا۔ ایسے ہی جیسے اس سے قبل گزرا تھا۔ یہاں ''اب کے بھی'' ایسے الفاظ ہیں، جو یہ ظاہر کرتے ہیں، کہ پہلے بھی اس طرح کی خوشی کا موقع، یعنی عید کا دن انتظار اور جدائی کی حالت میں تڑپتے اور یاد کرتے گزرا ہے۔

شعر نمبر 2

پو پھٹے آئے گا اک یاس کا جھونکا، جس سے
پتی پتی گلِ حسرت کی بکھر جائے گی

لغت

پو پھٹے (صبح دم)، یاس (ناامیدی، مایوسی)، گل حسرت (حسرت کا پھول)

تشریح

اس شعر میں شاعر نے ہجر کی رات کے بعد مایوسی اور ناامیدی کے منظر کو بیان کیا

ہے۔ وہ کہتا ہے محبوب کی جدائی میں وہ بے چین اور بے قرار ہے۔ ان رات
محبوب کی یادوں کے سہارے وہ محبوب سے ملنے کی آرزو جواں رکھے ہوئے ہے۔ مگر اب جبکہ
صبح کا اُجالا ہونے کو ہے، وہ آرزوئیں اور حسرتیں صبح ہوتے ہی ناامیدی کے پھول کی طرح
مرجھا جائیں گی۔ اُسے ڈر ہے کہ صبح دم ناامیدی اور مایوسی کا جھونکا اس کے گلشن خیال سے
گزرے گا، اور اس کے بعد اُس کی آخری امید کا دیا بھی بجھ جائے گا۔

شعر نمبر 3

سرخ سورج کی لچکتی ہوئی نوخیز کرن
تیغ بن کر مرے پہلو میں اُتر جائے گی

لغت

لچکتی ہوئی (بل کھاتی ہوئی) نوخیز (نئی نویلی، تازہ) تیغ (تلوار)

تشریح

شاعر کہتا ہے کہ جیسے ہی صبح طلوع ہوگی، سورج چمکے گا، اُس کی بل کھاتی ہوئی سرخ
روشنی جو کرن کی شکل میں اُترے گی، وہ تلوار بن کر میرے پہلو میں اُتر جائے گی۔ شاعر نے
سرخ سورج کی کرن کو تلوار کہہ کر اپنے غموں اور دکھوں کے لے خاتمے کی بنیاد بنایا ہے، گویا صبح
ہوتے ہی اُس کے انتظار کی آخری گھڑی بھی ختم ہو جائے گی۔

شعر نمبر 4

سوچتی آنکھوں میں پھر تیرے تصور کی پری
دل بدست آئے گی اور خاک بہ سر جائے گی

لغت

تصور (خیال)، دل بدست آنا (دل ہاتھ پر لیے آنا)، خاک بسر جانا (سر پر خاک
ڈالے جانا، بے مراد ہو کر چلے جانا)

تشریح

اے محبوب! تیری یاد بھی تیری طرح بے حد حسین ہے، تیرا تصور بھی تجھ جیسا حسین

نے میرے لیے اپنا دل ہاتھ میں تھام رکھا ہو، مگر پھر خیال کی وہی پری اپنے سر پر خاک ڈال کر اور مایوس و بے مراد ہو کر لوٹ جاتی ہے۔ یعنی تیری یاد جاتے ہوئے مجھے دکھی کر جاتی ہے۔ اُس کا چلے جانا ایسے محسوس دیتا ہے، جیسے کوئی سخت صدمے کی حالت میں، آہ و فریاد کرتے ہوئے اپنے سر پر خاک ڈالتا ہے، بین کرتا ہے یا سوگ مناتا ہے۔

شعر نمبر 5

گلیوں بازاروں میں در آئیں گے کھلتے چہرے
پھر مرے دل کی کلی درد سے بھر جائے گی

لغت

در آئیں گے (چلے آئیں گے) کھلتے چہرے (ایسے چہرے جو خوشی سے کھل رہے ہوں)

تشریح

اس شعر میں شاعر نے اپنے اندر کی غم زدہ حالت کو پُر اثر انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر اُس کا دل اندر سے غم زدہ ہو، تو پھر اُس کے لئے باہر کی دنیا میں لاکھ خوشیوں کے میلے لگے ہوں، بیکار ہیں۔ شاعر اپنی صورت حال سے دو چار ہے، اُس کے آس پاس گلیوں اور بازاروں لوگ آ جا رہے ہیں ان کے چہروں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔ ہر طرف خوشیوں اور خوشبوؤں کا سلسلہ رواں دواں ہے، مگر ان خوشیوں کو دیکھ کر اس کا دل اور بھی افسردہ ہو جاتا ہے۔ اور رونقیں اس کے درد کو کچھ اور بڑھا دیتی ہیں۔

☆☆☆☆

AIOU کی بروقت ایپ ڈیٹ کیلیے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلیے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com

(۸) شہزاد احمد

حالات زندگی

شہزاد احمد 16 اپریل 1932ء کو حافظ محمد بشیر کے گھر پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور کے مختلف تعلیمی اداروں سے حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور سے نفسیات کے مضمون میں ایم اے کیا۔ ازاں بعد دوسرا ایم اے فلسفے کے مضمون میں کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے جریدے ''راوی'' کے مدیر کی حیثیت سے بھی اپنی فکری جولانی کا ثبوت دیا۔ ایم اے او کالج لاہور کی طلبہ یونین کے صدر بھی رہے۔

ادبی خدمات

قیام پاکستان کے فوراً بعد اُبھرنے والے شعرا میں ایک نمایاں نام بن کر اُبھرے۔ ان کا اولین شعری مجموعہ ''صدف'' کے نام سے منظر عام پر آیا۔ ان کے تخلیقی کام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

جلتی بجھتی آنکھیں، ادھ کھلا دریچہ، خالی آسمان، بھرا بادل کی رُت، کون اُسے جاتا دیکھے، اُترے مری خاک پر ستارہ، اندھیرا دیکھ سکتا ہے، ایک چراغ اور سہی، آنے والا کل، اُردو شعری مجموعے، جبکہ جاگن والی رات، پنجابی شعری مجموعہ شامل ہیں۔

سائنس، نفسیات اور فلسفے کے ضمن میں تصنیف و ترجمے کی شکل میں اُن کی جو کتب شائع ہو چکی ہیں، ان کی تعداد بیس کے قریب ہے۔ پاکستان نیشنل سنٹر اور پاکستان ٹیلی ویژن سنٹر لاہور سے بھی ان کی وابستگی رہی۔ شہزاد احمد ان شاعروں میں سے ہیں، جنہیں تقسیم کے بعد غزل کے اہم ترین شاعروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ شہزاد احمد جدید اُردو غزل کے ایسے شاعر ہیں۔ جنہوں نے غزل کے رسمی موضوعات سے ہٹ کر تخلیقی امکانات اور ذاتی اسلوب ایجاد کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کی غزل حیات و کائنات سے جڑے ہوئے مسائل و

معاملات کی ترجمانی کا فریضہ انجام دیتی ہیں۔ ملرانی کی رویہ منفرد طرز کا ہوتا ہے۔ شہزاد احمد شائستہ، متین اور صاف لب و لہجے کے شاعر ہیں۔ بظاہر سادہ اور رواں دواں شاعری میں بھی ایک جہان معانی آباد ہوتا ہے۔ سائنسی علوم اور فکر و فلسفہ سے ہم آہنگ ان کی شاعری جمال آفرینی کے پیکر تراشتی ہے۔

☆☆☆☆

غزل "شہزاد احمد"

شعر نمبر 1

سچ ہے کہ بندگی کا حق ہم نے ادا نہیں کیا
اپنے کرم کے باوجود، تُو نے بھی کیا نہیں کیا

لغت

کرم (مہربانی، لطف و عنایت)، بندگی (عبادت)، کیا نہیں کیا؟ (یعنی بہت کچھ کیا، شکوے کا انداز)

تشریح

شاعر اپنے خالق سے شکوے کے انداز میں مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ اے خدا! بے شک ہم سے بندگی کا اُس طرح تو حق ادا نہیں ہوا، جیسا کہ ہم پر فرض تھا۔ مگر (ہمارے) اس کوتاہی کی کوئی وجہ بھی ہے، ہم پر سو سو طرح کی ذمہ داریاں ہیں۔ ہم کمزور اور عاجز بندے ہیں، خطا کار ہیں۔ تُو نے ہمارے جینے میں طرح طرح کی مجبوریاں رکھ دی ہیں۔ زندگی کے ہزار سلسلے ہیں، جنہیں مختصر سی عمر میں نبھانا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر مشکلات اور دکھ ہیں، ایسے میں عبادت کا صحیح انداز میں ہم سے حق ادا نہیں ہوا، لیکن تُو تو مختارِ کل ہے، تیری مہربانیاں ساری کائنات پر چھائی ہوئی ہیں۔ تیرے کرم کی کوئی حد نہیں، تو چاہتا، تو ہمیں تمام فکروں اور مسائل سے آزاد کر سکتا تھا، مگر تُو نے بھی ہمیں ہزار طرح کے امتحانوں اور آزمائشوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔

شعر نمبر 2

جس نے بھی عاجزی نہ کی، اُس سے بھی کچھ خفا ہے تُو
وہ بھی گنہگار ہے، جس نے گلہ نہیں کیا

تشریح

اللہ تعالیٰ کے آگے عاجزی سے سر جھکائے رکھنا، سچے دل سے اس کی عبادت کرنا، اُسی سے مدد طلب کرنا، ہر حال میں اُس کا شکر بجالانا اور تنگی و مصیبت میں بھی اُس کی ذات کو پکارنا، عین بندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے عاجز بندے کی اس ادا کو پسند کرتا ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص، جو اس نوع کا طرزِ عمل اختیار نہیں کرتا۔ اُس کی نعمتوں، برکتوں اور رحمتوں کے باوجود اُس کا گلہ کرتا رہے۔ کوئی مشکل اُسے گھیر لے، تو وہ ذات باری تعالیٰ کا شکوہ کرے، وہ تو خطا کار ہے، مگر جو گلہ نہیں کرتا، وہ بھی گنہگاروں کی صف میں شامل ہے۔ یہ سب کچھ عاجز بندے کی سوچ سے ماورا ہے، وہ اس راز کو نہیں سمجھ سکتا۔ شاعر کے نزدیک خطا کار اور بے خطا کے درمیان کچھ تو فرق ہونا چاہئے۔

شعر نمبر 3

اپنی تو ہیں رسائیاں، روز کی جگ ہنسائیاں
وہ بھی تو ہم سے خوش نہیں، جس کو خفا نہیں کیا

لغت

جگ ہنسائیاں (دنیا کیلئے ہنسی کا سامان)

تشریح

شاعر اپنے اردگرد کے ماحول میں بسنے والے انسانوں کی عام روش کے بارے میں بات کر رہا ہے۔ ہمارے ہاں ایک دوسرے سے بے تعلقی کی جو فضا پیدا ہو چکی ہے، اُس نے ہر شخص کو ایک عجیب بے چینی اور خدشے کا شکار کر دیا ہے۔ جسے دیکھو ایک مسلسل اضطراب اور لیے دیے انداز میں دکھائی دیتا ہے۔ یہ ایک عجیب کیفیت ہے۔ شاعر کا کہنا ہے کہ اُس نے کسی کو ناراض بھی نہیں کیا پھر بھی اُسے یوں لگتا ہے، جیسے اس کے عزیز ترین احباب بھی اُس سے خوش نہیں ہیں، حالانکہ اُس نے اُنہیں شکایت کا کوئی موقع بھی نہیں دیا۔

شعر نمبر 4

کیسی بھی تلخ بات تھی، پھر بھی زباں پہ آ گئی
خود ہی شکار ہو گئے، تیر خطا نہیں کیا

لغت

تلخ (کڑوی، تُرش)، تیر خطا ہونا (تیر کا بے کار چلے جانا)

تشریح

روزمرہ زندگی میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر کتنی ہی تلخ اور ترش باتیں ایسی ہیں، جو ہمارے باہمی معاملات کے دوران سنی اور کہی جاتی ہیں۔ ان کا اظہار لوگوں کے عمومی رویے کی نشان دہی کرتا ہے۔ ایک حساس شخص ان تلخ باتوں سے اثر لیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور کبھی نہ کبھی اُسے مجبوراً کسی تلخی کو زبان پر لانا پڑتا ہے۔ اس طرح کے طرزِ عمل کے دوران اُسے مخالف سمت سے شدید ردِعمل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کیونکہ سچ سننے کی تاب ہر کسی میں نہیں ہوتی۔ یوں وہ اپنے ہی اظہارِ صداقت کی زد میں آ جاتا ہے۔ اسے شاعر نے زبان سے نکلے ہوئے ایک ایسے تیر سے تعبیر کیا ہے، جو اظہار کرنے والے کو شکار کر لیتا ہے۔ شاعر کے نزدیک تیر خطا نہیں ہوا، چلانے والا خود ہی اُس کا نشانہ بن گیا ہے۔

شعر نمبر 5

چھوڑیے یہ حکایتیں، اوروں سے کیا شکایتیں
آپ سے کیا نہیں ہُوا، آپ نے کیا نہیں کیا

لغت

حکایتیں (کہانیاں)

تشریح

اس شعر میں شاعر نے اپنے محبوب دوست سے اُس کے بے جا رویے کی شکایت کی ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے میرے دوست! تو مجھے دوسرے لوگوں کے ناروا سلوک کی کہانیاں سنا رہا ہے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ تم نے مجھ پر کون سی مہربانی نہیں کی۔ اوروں کا ذکر تو درکنار، تم نے کون سا میری دوستی کا صلہ اچھے انداز میں دیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے میرے دوست! تو میرا کیسا مخلص دوست ہے، جس نے میرے ساتھ وہی سلوک روا رکھا ہے، جو غیروں نے رکھا ہوا ہے۔

☆☆☆☆

باب 7-8

نظمیں

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

(۱) علامہ محمد اقبال

حالات زندگی

(نوٹ) حالات زندگی کیلئے دیکھئے حصہ غزل (علامہ محمد اقبال)

شاعری کی خصوصیات

(1) خودی

اقبال کی شاعری کے اہم موضوعات میں خودی کو مرکزیت حاصل ہے۔ خودی کا مطلب ہے اپنے نفس اور اپنی ذات کا مکمل شعور۔ حدیث "من عرف نفسہ" کا مفہوم ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا بیشک اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ گویا عرفان ذات عرفان خداوندی کا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اقبال نے خودی کے فلسفے کو اپنی فکر کے مرکزی نکتے کی حیثیت دی۔
اقبال نے خودی کے تین مراحل بیان کیے ہیں: (۱) اطاعت الٰہی (۲) ضبط نفس (۳) نیابت الٰہی۔

(2) عشق

اقبال خودی کی تکمیل کے لئے عشق کو ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ عقل کی افادیت سے انکاری نہیں، لیکن عشق کو اولیت دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک عشق ہی سے چیزوں کی حقیقت کا مکمل علم اور صحیح بصیرت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ دنیا کے تمام ناقابل یقین کام عشق کی وجہ سے ممکن ہو سکے ہیں۔ علم اور عقل انسان کو منزل کے قریب تو پہنچا سکتے ہیں، لیکن عشق کے بغیر منزل کو سر نہیں کیا جا سکتا۔

(3) مرد مومن

اقبال نے اپنے کلام میں مرد مومن کی صفات اور خصوصیات کو بھی کافی تفصیل کے

خودی کے تینوں مراحل سے گزرنے کے بعد اُسے اشرف المخلوقات اور خلیفتہ اللہ فی الارض ہونے کا مرتبہ حاصل ہوا ہے۔ اقبال کا یہ مردِ مومن قرآن کریم سے ماخوذ ہے۔ اقبال کا مردِ مومن کائنات کا کامیاب ترین انسان ہے۔ اس میں تجدید حیات، جذبہ عشق، جہد و عمل، جمال و جلال، حق گوئی و بے باکی، فقر و استغنا اور خودی و خودداری کی صفات مکمل طور پر موجود ہیں۔

(4) شاہین

اقبال کے مردِ مومن میں شاہین کی تمام صفات بھی موجود ہیں۔ اس کی نگہ بلند، سخن دلنواز اور جان پرسوز ہے۔ وہ کسی کے سامنے جھولی نہیں پھیلاتا، نہ مانگی ہوئی چیزیں کھاتا ہے، بلکہ اپنی دنیا آپ پیدا کرتا ہے۔ وہ دنیا کے کسی لالچ میں نہیں آتا۔ اس کی امیدیں قلیل اور مقاصد جلیل ہوتے ہیں۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
گرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

(5) مغربی تہذیب پر تنقید

اقبال مسلمانوں کو مغربی تہذیب سے دور رہنے کا درس دیتے ہیں۔ ڈاکٹر یوسف حسین خان فرماتے ہیں کہ اقبال کو اہل یورپ سے شکایت ہے کہ انہوں نے ذہنی تربیت کے ساتھ دل کی تربیت کی طرف توجہ نہ کی۔ تہذیب فرنگی مادی آسائشوں پر ایسی فریفتہ ہوئی کہ روحانی زندگی کے تقاضے پس پشت ڈال دیے۔ اقبال کے نزدیک خالص مادیت کی بنیاد پر کسی تہذیب کو استحکام نصیب نہیں ہوسکتا۔ وہ مغربی تہذیب پر اس طرح تنقید کرتے ہیں۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے یہ ظلمات

(6) اتحادِ عالم اسلام

اقبال دنیا بھر کے مسلمانوں کو حرم کعبہ کی حفاظت کے لئے اکٹھا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مسلمانوں کو پیغام دیا کہ جب تک وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے نہیں تھامیں گے، تب تک وہ ترقی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے مسلمانوں سے شکوہ کیا کہ وہ مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسی نااتفاقی کی وجہ سے مغربی طاقتیں ہمارے مسلم علاقوں پر قابض ہوئیں اور ہم صدیوں

کی حکمرانی کے بعد غلام بنا دیے گئے۔ اقبال کو غلامی سے شدید نفرت ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آج بھی مسلمانوں میں ایمان ابراہیمی پیدا ہو جائے، تو آگ کے اندر گلستان پیدا ہو سکتا ہے۔

آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

(7) عشق رسولؐ اللہ

اقبال کو حضرت محمد ﷺ کی شخصیت میں کاملیت و جامعیت مکمل طور پر نظر آتی ہے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے اپنی والہانہ محبت کا اظہار اپنے اشعار میں کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ اقبال کے کلام میں حیرت انگیز تاثیر کا اصل راز ان کا عشق رسولؐ ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ دنیا میں اجالا صرف اسم محمدؐ کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے، لیکن اس کے لئے عشق کی قوت شرط ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

☆☆☆☆

نظم "مرد مسلمان"

(از علامہ محمد اقبال)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
لحظہ	لمحہ	غفاری	بخشنے والا
آن	ادا	گفتار	بات چیت
برہان	دلیل	قدسی	گناہوں سے پاک
جبروت	عظمت و بزرگی	عناصر	اصل اجزا

جبریل امیں	ایک فرشتہ جو اللہ تعالیٰ کی امانت یعنی وحی پیغمبروں کی طرف لاتا ہے۔	بخارا	ترکستان کا ایک شہر، جو ایک زمانے میں علم کا بہت بڑا مرکز تھا
بندہ خاکی	مٹی سے بنا ہوا یعنی انسان	نشیمن	ٹھکانہ
بدخشاں	افغانستان کا ایک شہر، جس کے لعل و یاقوت بڑے مشہور تھے۔	سرودازلی	کائنات کی پیدائش کے وقت سے چھیڑا گیا گیت، ہمیشہ کا ترانہ
عیار	کسوٹی	میزان	ترازو
جگر لالہ	لالہ کے پھول کا کلیجہ	دہل جانا	خوف کے مارے کانپنا
شب و روز	رات اور دن	آہنگ	گانے کا الاپ، نغمہ
یکتا	بے مثال	صفت	مانند
کارگہ فکر	فکر و خیال کا کارخانہ	انجم	ستارے

مرکزی خیال

نظم ''مردِ مسلماں'' میں اقبال نے بہت بلیغ اور جامع انداز میں اپنے مثالی انسان 'مردِ مومن' کے افکار و خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ اقبال کا مردِ مومن دنیاوی جلال و جمال کے ساتھ اخروی کامیابیوں و کامرانیوں کا بھی ایک حسین اور دلکش نمونہ ہے۔ یہ وہ انسان کامل ہے، جو اپنی خودی کی تکمیل کر چکا ہے اور اس نے اپنی زندگی کو حضور ﷺ کے اسوہ مبارک کے مطابق ڈھال لیا ہے، اس لیے وہ ہر جگہ کامیاب اور سرخ رو ہے۔ اقبال کا خیال ہے کہ اگر ہم مسلمان اپنی زندگی قرآن و سنت کے احکامات کے مطابق بنانے کی کوشش کریں، تو دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

☆☆☆☆

خلاصہ

علامہ اقبال کی نظم ''مردِ مسلماں'' ایک معرکتہ الآرا نظم ہے۔ جو حیرت انگیز ترنم اور

بلند خیالات کا مرقع ہے۔ اس نظم میں اقبال مسلمان کو مردِ مومن کے عظیم روپ میں دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ یہ نظم علامہ کی فنی پختگی کے ساتھ ساتھ فکری پختگی کے دور کی ایک اہم دستاویز ہے۔ اقبال مردِ مسلمان کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مردِ مومن کا ہر قول و فعل اپنے رب کے احکامت کا تابع ہوتا ہے۔ قہاری و غفاری اور قدوسی و جبروت کے عناصر سے ہی مردِ مومن کا وجود قائم ہے۔ وہ دوستوں کی محفل میں ریشم کی طرح نرم، جبکہ حق و باطل کے معرکے میں فولاد بن جاتا ہے۔ مومن بظاہر قرآن پڑھنے والا نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت وہ خود قرآن ہے۔ فطرت کے مقاصد کی تکمیل اور دنیا میں حق و انصاف کا نظام صرف مردِ مومن ہی قائم کر سکتا ہے۔

مردِ مومن چال، ڈھال، اور بول چال میں سورہ رحمٰن کی طرح بے نظیر و بے مثال ہوتا ہے۔ اقبال کو مردِ مومن کی اس صورت صرف حضرت محمد ﷺ کی ذاتِ مبارکہ میں نظر آتی ہے، اس لیے وہ مسلمان کو صفاتِ محمدی ﷺ اپنانے کا درس دیتے ہیں۔ نظم کے آخر میں اقبال اپنی فکر اور شاعری کا حوالہ دے کر فرماتے ہیں کہ: اے مسلمان! آپ کو میرے افکار اور میری سوچ میں پرورش پانے والے ان خیالات سے استفادہ کرنا چاہیے جو مسلمان قوم کو عروج اور بلندی کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

☆☆☆☆

مردِ مسلمان (نظم)

شعر نمبر 1

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی آن نئی شان
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

تشریح

اقبال فرماتے ہیں کہ مردِ مومن کا ہر لمحہ نئی شان اور نئی آن بان لے کر آتا ہے۔ ہر لحظہ اس کے اندر تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے اور اس کا ہر روپ پہلے سے زیادہ دلکش ہوتا ہے۔ جب وہ بولتا ہے تو بات بات میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ دیتا ہے۔ وہ کبھی بھی

بھوی اور بے کاری باتیں نہیں کرتا۔ اس کا ہر [illegible]
ہے۔ اس کی گفتگو سن کر اور کردار دیکھ کر لوگ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی کے طور پر موجود ہوتا ہے۔

شعر نمبر 2

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

تشریح

اس شعر میں اقبال نے مردِ مومن کی چار صفات بیان کی ہیں۔ انھی چار عناصر سے مردِ مومن کی ذات مکمل ہوتی ہے۔ ان عناصر میں پہلا عنصر قہاری ہے۔ مردِ مومن اتنا طاقتور ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن اس کو دیکھ کر سہم جاتے ہیں اور اس سے مقابلے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ دوسری صفت غفاری ہے۔ اس کا مطلب ہے بخشنے والا، درگزر کرنے والا۔ مردِ مومن اپنے بھائی بندوں کی غلطیوں پر غضبناک نہیں ہوتا بلکہ ان کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ یہ بھی صفتِ خداوندی ہے۔ مردِ مومن کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ گناہوں سے پاک ہوگا۔ اس کا دل نفسانی خواہشات اور آلودگیوں سے مکمل طور پر صاف ہوگا۔ یہ چیز اطاعت الٰہی اور حبِ رسول ﷺ کی بدولت ملتی ہے اور چوتھی صفت یہ ہے کہ اس کے دل و دماغ میں خدا کی عظمت ہمیشہ موجود رہے گی۔ مردِ مومن اللہ تعالیٰ کو ہی ہمیشہ سپر پاور کے طور پر اپنا آقا و خالق تصور کرتا ہے۔ اس کا سر کسی غیر اللہ تعالیٰ کی بجائے صرف ربِ کعبہ کے سامنے جھکتا رہتا ہے۔

شعر نمبر 3

ہمسایۂ جبریلِ امیں بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

تشریح

مردِ مومن اگرچہ خاک سے بنا ہوا ہے، لیکن جب وہ خودی کی منزلیں طے کر کے بلندی کی طرف جاتا ہے، تو وہ عرش کا مکین بنتا ہے، وہاں وہ جبریل علیہ السلام کا پڑوسی بن جاتا

ہے۔ اس کا گھر زمین میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ عرش پہ اللہ تعالیٰ کے بہت قریب [illegible] جاتا ہے۔ مومن دنیا کی جغرافیائی حد بندیوں سے نکل کر ماورا ہو جاتا ہے۔ نہ وہ وطن کے جغرفیائی تصور کا اسیر ہو کر کسی مخصوص علاقے سے وابستہ ہوتا ہے، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ساری دنیا کو اپنا وطن تصور کرتا ہے۔ بخارا و بدخشاں کے خوب صورت شہر اس کی عالمگیر سوچ کو محدود نہیں کر سکتے۔ وہ اس دنیا کی جکڑ بندیوں اور پابندیوں سے آزاد ہو کر قرب الٰہی کے حصول میں کوشاں رہتا ہے۔

شعر نمبر 4

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

تشریح

یہ راز آج تک کوئی نہ جان سکا کہ مردِ مومن جو بظاہر قرآنِ پاک پڑھتا ہے اور اس کی قرأت کرتا ہے، درحقیقت وہ بذاتِ خود قرآن ہی ہے، یعنی اس کی پوری زندگی قرآنی تعلیمات کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی زندگی قرآن کریم کی عملی تفسیر ہوتی ہے۔ وہ چونکہ قرآنی احکامات پر سختی کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے، اس لیے مردِ مومن چلتا پھرتا قرآن معلوم ہوتا ہے۔

شعر نمبر 5

فطرت کے مقاصد کے عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان

تشریح

مردِ مومن عدل و انصاف کا چلتا پھرتا نمونہ ہوتا ہے۔ اس کے ارادے قدرت کے مقاصد کی کسوٹی ہوتے ہیں۔ اگر قدرت کے ارادوں اور مقاصد کے بارے میں کوئی جاننا چاہتا ہے، تو اسے مردِ مومن کی زندگی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ خدا کی مرضی کیا ہے؟ یہ مردِ مومن کے عزائم اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ میزان ہوتا ہے اور قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ کی میزان یا ترازو بنے گا، یعنی مردِ مومن کی زندگی سے ہی کسی چیز کے صحیح

پرکھنے والی کسوٹی قرار دیا ہے۔ مردِ مومن ہی دنیا میں عدل وانصاف کے ذریعے امن وامان اور ترقی وخوشحالی کا باعث بنتا ہے۔

شعر نمبر 6

جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

تشریح

اس شعر میں اقبال نے مردِ مومن کی مزید دو صفات کا ذکر کیا ہے، جس میں سے ایک جمال اور دوسری جلال ہے۔ وہ محفل میں دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے، تو میٹھی اور شیریں زبان کے ساتھ نرم گفتگو کرتا ہے اور ہر سننے والے کا دل موہ لیتا ہے۔ لیکن دوسری طرف وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے احکامات کا مذاق اڑاتے ہیں، تو ان کے لیے مردِ مومن کا وجود ایک تند و تیز طوفان کی طرح ہوتا ہے، جس سے کافروں کے دل خوف کے مارے کانپنے لگتے ہیں۔ بلکہ کائنات کی بے جان چیزیں دریا، پہاڑ، اور پتھر تک مردِ مومن کے ڈر سے دہل جاتے ہیں۔ اس بات کو اقبال نے ایک اور مقام پر یوں بیان کیا ہے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

شعر نمبر 7

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفتِ سورۂ رحمان

تشریح

اگر مومن کے شب و روز کو غور سے دیکھا جائے، تو اس میں فطرت کا ترانہ سننے کو ملتا ہے۔ مومن کی زندگی اس گیت کی طرح دل کش ہوتی ہے، جو قدرت نے ازل سے چھیڑا ہے، یعنی اس کی زندگی کے لمحات میں وہی ہم آہنگی، توازن اور دلکشی پائی جاتی ہے، جو کائنات کے

اس نظام میں ابتدا سے موجود ہے۔ قرآنِ کریم کی سورہ رحمٰن اپنے آہنگ اور سر کے اعتبار سے بے مثال ہے۔ دیگر سورتوں کے مقابلے میں یہ اپنے ترنم اور وزن و بحر کے لحاظ سے بھی منفرد ہے۔ جو زیر و بم اور آہنگ اس سورت میں موجود ہے۔ مردِ مومن کی باتوں اور قول و فعل میں بھی وہی سر اور لے پائی جاتی ہے۔

شعر نمبر 8

بنتے ہیں مری کارگہِ فکر میں انجم
لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

تشریح

اقبال اس شعر میں فرماتے ہیں کہ میری فکر کی دنیا میں کوئی بھی کم قیمت چیز موجود نہیں، بلکہ میری فکر کے کارخانے میں نت نئے ستارے تخلیق ہوتے ہیں۔ میری مفید اور کارآمد سوچ سے مسلمانوں کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں اپنی شاعری کے ذریعے زندگی کے حقائق اور کائنات کے پوشیدہ راز کھول رہا ہوں۔ اے مردِ مسلمان! اگر تو میری ان تعلیمات پر غور کر کے اس پر عمل پیرا ہو، تو تیری تقدیر بدل سکتی ہے۔ شعر میں 'کارگہ فکر' سے مراد اقبال کی شعری استعداد اور انجم سے مراد اقبال کے اشعار ہیں۔ اقبال کا کہنا ہے کہ میرا تخیل جو ستارے بنا رہا ہے، ان میں سے آپ کو اپنے عروج کا ستارا پہچان لینا چاہیے۔ مطلب یہ کہ میں نے اپنی شاعری کے ذریعے جو راہیں اور منزلیں مسلمان کو دکھائی ہیں۔ ان میں سے اس کو اپنی تقدیر سنوارنے والے راستے کی تلاش کر کے اس پر چلنا چاہیے تاکہ وہ کامرانی و کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلئے وزٹ کریں
www.joheraiou.com
YouTube: Joher Videos

(۲) اختر شیرانی

حالات زندگی

اختر شیرانی اردو ادب کے مشہور محقق حافظ محمود شیرانی کے بیٹے تھے۔1906ء کو ریاست ٹونک میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔فارسی کا علم انھوں نے صابر علی شاکر سے حاصل کیا اور انھی کی صحبت نے اختر کو شاعری کی طرف مائل کیا۔1920ء میں اورینٹل کالج لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔اس کے بعد باقاعدہ تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔لاہور میں ان کی شاعری کو پھلنے پھولنے کے بھرپور مواقع میسر آئے۔لاہور میں کچھ عرصہ ادبی رسالے 'ہمایوں' کی ادارت کی۔بعد میں ایک بچہ 'خیالستان' خود بھی نکالا، جو زیادہ عرصہ جاری نہ رہ سکا۔1941ء میں 'شاہکار' کے ادارتی فرائض سنبھالے۔

وفات

1948ء میں وفات پائی اور لاہور میں دفن ہوئے۔

شاعری کی خصوصیات

(1) رومانویت

اختر شیرانی کے ہاں رومانیت احساس کی شدت، محبت کی سماجی اور معاشرتی بندھنوں سے آزادی، تخیلی اور مثالی دنیا کی تعمیر اور فطرت سے لگاؤ سے پھوٹی ہے۔ان کی شاعری میں رومانیت بھرپور طور پر جلوہ گر ہے۔

(2) موسیقیت اور غنائیت

اختر شیرانی کی شاعری کی بنیادی خصوصیت ان کی موسیقیت اور غنائیت ہے، ان کی شاعری میں موسیقیت کا طوفان امڈتا ہوا نظر آتا ہے۔وہ موقع و محل کے مطابق مترنم الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

(3) فطرت پرستی

اختر شیرانی کی رومانیت میں فطرت کو بھی بڑا دخل حاصل ہے۔ وہ مناظر قدرت کے بیان میں اپنے تخیل سے فطرت کے حسن کو دوبالا کر دیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ تشبیہ و استعارہ سے کام لیتے ہیں۔ اختر محض فطرت نگار ہی نہیں، بلکہ بہت بڑے فطرت پرست بھی ہیں۔ وہ فطرت سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ ان کی نظمیں وادی گنگا کی ایک رات، انتظار اور نور جہاں وغیرہ مناظر فطرت کے دلکش ترانوں سے بھری پڑی ہیں۔

(4) انقلاب پسندی اور ماضی پرستی

ہر رومانی شاعر انقلاب پسند ہوتا ہے۔ حالات کو بدلنے اور خوب صورت اور حسین دنیا کی تخلیق کی خواہش رومانی شاعر کے یہاں لازمی طور پر پائی جاتی ہے۔ اختر بھی حالات کو بدلنا چاہتے ہیں۔ دنیا کی بدصورتیاں، انسانوں کا اخلاقی دیوالیہ پن، غلامی کی لعنت، رنج کی افراط اختر کی توجہ اپنی طرف مبذول کراتے ہیں، جن سے ان کا دل شکستہ ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆

نظم "نغمہ زندگی"

(از اختر شیرانی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
بربط	ایک ساز کا نام	بال کشا	بال پھیلائے ہوئے
جلوہ نما	جلوہ دکھانے والی	مست نوا	بے خود کر دینے والی آواز
مہر و ماہ	سورج اور چاند	موج صدا	آواز کی لہر
رقص صبا	صبح کی ہوا کا ناچ	اضطراب	بے چینی
شعلہ بار	شعلے برسانے والی	شراب حیات	زندگی کی شراب
کشت زار	ہرا بھرا کھیت	ہمہمہ زا	آواز پیدا کرنے والی

بادۂ ناب	خالص شراب	راہزن	لٹیرا
رہ رو	راستے پر چلنے والا۔ مسافر	عدم	نیستی، نہ ہونا
خرام	ناز و ادا کی چال	ہوئے تند	تیز ہوا
طائرِ دہر	زمانے کا پرندہ		

مرکزی خیال

اختر شیرانی نے اس نظم میں زندگی کے مختلف رنگ بیان کیے ہیں اور کہا ہے کہ کائنات کے سارے ہنگامے زندگی کے مرہون منت ہیں۔ سازِ کائنات میں زندگی ہی ایک مشترکہ ساز ہے۔ ہر زندہ چیز میں اس کے اثرات خون بن کر دوڑ رہے ہیں اور اس کی کارفرمائیاں صاف نظر آ رہی ہیں۔

☆☆☆

خلاصہ

اختر شیرانی کی نظم 'نغمہ زندگی' ہیئت کے اعتبار سے ایک مستزاد نظم ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ زندگی کا تعلق کائنات سے ہے۔ زندگی کبھی نہیں مرتی۔ زندگی کے مختلف رنگ و روپ ہیں۔ کبھی یہ راہزن کی شکل میں ملتی ہے اور کبھی راہنما کے طور پر سامنے آتی ہے۔ زندگی کبھی نغمے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور کبھی آواز کی صورت۔ کائنات کے تمام [illegible] زندگی کے ہر ہونِ منت ہیں۔ اس کے بغیر دنیا کی کسی سرگرمی کا انجام دینا ممکن نہیں ہے۔

☆☆☆

Joher Videos

تشریحات

نغمہ زندگی (نظم)

بند نمبر 1

بربطِ کائنات پر، نغمہ سرا ہے زندگی — مست نوا ہے زندگی
وادیِ مہر و ماہ تک بال کشا ہے زندگی — جلوہ نما ہے زندگی

تشریح

اختر شیرانی کہتے ہیں کہ کائنات کے باجے پر زندگی نغمہ گا رہی ہے اور وہ مستی میں مصروف ہے۔ دنیا کی حدود سے اُوپر آسمان کی وسعتوں میں چاند اور سورج میں بھی زندگی بال کھولے موجود ہے اور اس کے جلوے سب کو نظر آتے ہیں۔ یعنی زندگی کی رنگینیوں سے دنیا کا کوئی گوشہ محروم نہیں ہے۔

بند نمبر 2

جس کی کچھ ابتدا نہیں، جس کی کچھ انتہا نہیں — جس کو کبھی فنا نہیں
خواب گہِ فنا میں وہ موج صدا ہے زندگی — رقصِ صبا ہے زندگی

تشریح

زندگی کی ابتدا اور انتہا کی کسی کو خبر نہیں۔ سب کچھ فنا پذیر ہے، لیکن زندگی برقرار رہتی ہے۔ زندگی میں ہی انسان خواب دیکھتا ہے اور آواز کی موجیں زندگی کی علامت ہوتی ہیں۔ صبح کے وقت جو تازہ ہوا چلتی ہے، اس کے ساتھ بھی زندگی کا قریبی تعلق ہے۔

بند نمبر 3

موسم شعلہ بار میں، دامن کشت زار میں — سینۂ کاشتکار میں
بن کے لہو کا اضطراب ہمہمہ زا ہے زندگی — نغمہ سرا ہے زندگی

تشریح

ایسا موسم جو شعلے برساتا ہے اور بہت زیادہ گرمی ہوتی ہے اور سب تپ رہے ہوتے ہیں، تو اس میں محنت کرنے والے کاشتکاروں کے سینوں میں بھی زندگی کی حرارت موجود ہوتی ہے۔ ان کی رگوں میں جو لہو دوڑتا ہے وہ دراصل زندگی کی علامت ہے۔ وہ زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے اتنے دکھ برداشت کرتے ہیں۔ اُن کے دل میں زندگی نغمے گا رہی ہے۔

بند نمبر 4

جام ہیں مختلف تو ہوں، ان میں شراب ایک ہے — بادۂ ناب ایک ہے
سازِ فنا میں مشترک ایک صدا ہے زندگی — ایک نوا ہے زندگی

انسان مختلف صورتوں اور شکلوں کے ہوتے ہیں، مگر ان میں زندگی کا جذبہ ایک ہی طرح کارفرما ہوتا ہے۔ زندگی کی شراب ان تمام انسانوں کو ایک طرح سے متاثر کرتی ہے۔ دنیا کے تمام سازوں اور آوازوں میں جو قدر مشترک ہے اور جو آواز ایک ہے، وہ زندگی کی آواز ہے، جو دور ہی سے پہچانی جاتی ہے۔

بند نمبر 5

رہ رو راہ ارتقا کے لیے ایک مقام ہے — راہزن خرام ہے
لے کے عدم سے تا عدم ایک فضا ہے زندگی — راہ نما ہے زندگی

تشریح

زندگی کے راستے پر آگے بڑھتے ہوئے مسافر کیلئے زندگی ایک قیام گاہ بھی ہے، یعنی وہ ستانے کے لیے یہاں پڑاؤ ڈال سکتا ہے۔ دوسرے جہاں سے لے کر اس جہاں تک زندگی ایک فضا کی طرح موجود ہے۔

بند نمبر 6

اس کی ہوائے تند پر تیر رہی ہے کائنات — مست شراب حیات
طائر دہر کے لیے ایک فضا ہے زندگی — کیا کہوں کیا ہے زندگی

تشریح

یہ زندگی کی ہوائیں ہیں، جن کی وجہ سے کائنات کی خوب صورتی اور گہما گہمی برقرار ہے، زندگی کی شراب کی وجہ سے سب چیزیں مست ہیں۔ زمانے کے پرندے کے لیے زندگی ایک فضا کی طرح ہے۔ ساری کائنات زندگی کی تند و تیز ہوا پر تیر رہی ہے۔ اور زندگی کا سفر جاری ہے۔ اس سے بڑھ کر میں تجھے کیا بتاؤں کہ زندگی کیا ہے؟

☆☆☆☆

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

(۳) جوش ملیح آبادی

حالاتِ زندگی

شبیر حسن جوش ملیح آبادی شاعرِ شباب اور شاعرِ انقلاب دو حوالوں سے مشہور ہیں۔ وہ ملیح آباد میں 1898ء میں پیدا ہوئے۔ جوش نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ انگریزی کی تعلیم سینئر کیمبرج تک پڑھی، لیکن لاابالی طبیعت کی وجہ سے انھیں تعلیم کا سلسلہ ادھورا چھوڑنا پڑا۔ معاشی لحاظ سے لکھنو کے حالات زیادہ سازگار نہ تھے، جس کی وجہ سے حیدرآباد دکن چلے گئے۔ 1924ء میں سرکارِ نظام میں دارالترجمہ میں ملازمت اختیار کی۔ 1934ء میں ناظرِ ادب کی حیثیت سے علیحدہ ہوئے۔ جوش جب واپس آئے، تو سیاسی فضا بالکل بدل چکی تھی۔ کچھ عرصہ تک دہلی سے ایک رسالہ 'کلیم' نکالتے رہے۔ رسالہ 'آج کل' کی ادارت بھی کی۔ 1956ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے اور کراچی میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہاں وہ اردو ترقی بورڈ سے منسلک ہو گئے۔

وفات

1982ء میں اسلام آباد میں جوش کا انتقال ہوا۔

شاعری کی خصوصیات

رومانیت

جوش انتہائی جذباتی انسان ہیں۔ ان کے ذہن و دل پر رومان کا ایسا غلبہ ہے کہ وہ جو موضوع بھی منتخب کرتے ہیں، وہ ان کے اندازِ بیان اور طرزِ تخیل کی وجہ سے رومانی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جب سیاسی یا مذہبی موضوعات پر قلم اٹھاتے ہیں، تب بھی ان پر رومانیت غالب آ جاتی ہے۔ رومانوی شاعر کی جو خصوصیات ہوتی ہیں، وہ تقریباً تمام کی تمام جوش کے ہاں ملتی ہیں۔ زندگی انھیں عزیز ہے۔ ماضی سے انھیں لگاؤ ہے انفرادیت کا وہ جا بجا اظہار کرتے ہیں اور

کا تصور بھی ان کے ہاں ملتا ہے۔ انھی جذبات کے پیش نظر ناقدین ادب نے جوش کو سو فیصد رومانوی شاعر قرار دیا ہے۔

فطرت پرستی

رومانوی شاعر بنیادی طور پر فطرت پرست ہوتا ہے۔ فطرت پرستی اور قدرتی مناظر سے جوش کو والہانہ عشق ہے۔

شاعر شباب

"جہاں تک جوش کی شاعری کا تعلق ہے، وہ بنیادی اعتبار سے شاعر شباب تھے۔ ان کی اکثر نظمیں حسن و جوانی کی تعریف سے بھری پڑی ہیں۔

شاعر انقلاب

انقلاب میں بغاوت کو اہمیت حاصل ہے۔ ان کی سب سے معرکہ آرا باغیانہ نظم 'ایسٹ انڈیا کمپنی کے فرزندوں سے'، جس انداز کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تاجروں کو انھوں نے نظم میں للکارا ہے، بعد میں یہی لب ولہجہ جنگ آزادی میں جوش کی شمولیت کا نشان امتیاز بن گیا۔

اسلوب بیان

نرمی، گرمی، زور اور روانی جوش کی زبان کی خصوصیات ہیں۔ لفظوں اور ترکیبوں سے کبھی آتش فشاں ابل پڑتا ہے۔ اور کبھی ان کی حلاوت اور نرمی صبح کی چڑیوں کی طرح چہچہانے لگتی ہے۔ ان کا کمال فن اردو اور فارسی کے بہت سے عظیم شعرا کی یاد تازہ کرتا ہے۔ جوش میر انیس کے بعد دوسرے شاعر ہیں، جنھوں نے اردو زبان کو بیش قیمت ذخیرہ الفاظ عطا کیا ہے۔

قادرالکلامی

جوش کی قادرالکلامی مسلم ہے۔ وہ ایک فطری اور جذباتی شاعر ہیں اور زبان و بیان کے تمام وسائل پر بے پناہ قدرت رکھتے ہیں۔ الفاظ و محاورات اور تشبیہات و استعارات کے استعمال پر ان کی چابکدستی ماہرانہ ہے۔ وہ فارسی اور عربی کے پرشکوہ الفاظ یکساں اعتماد کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔



نظم "البیلی صبح"

(از جوش ملیح آبادی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
جبیں	پیشانی	نسیم فردوس	صبح کے وقت آنے والی جنت کی ہوا
عروس فطرت	فطرت کی دلہن	بیلے	چنبیلی کی قسم کا پودا
نغمہ طرب	خوشی کا نغمہ	رعایتیں	آسانیاں
روش روش	قطار قطار	سبک	ہلکی، تیز
چشم خوں فشاں	خون سے بھری آنکھیں	اوڑھنی	چادر، دوپٹا
طیور	پرندے	کھٹک	اندیشہ
رسیلی	رس بھری ہوئی	ہلال	پہلی رات کا چاند
مطرب	گانے والا	افشاں	چمکنے والی
نرم رو	ملائم، نرم	شلوکا	ایک قسم کا کرتہ

مرکزی خیال

جوش اس نظم کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے بخشے ہوئے نظاروں کا ذکر کرتے ہیں۔ صبح کا وقت بہت سہانا اور پیارا ہوتا ہے، صبح کا ہر منظر بڑا دلکش ہوتا ہے۔ چاروں طرف پھولوں کی مہک کے ساتھ ساتھ پرندوں کی چہک ایک خوبصورت سماں پیدا دیتی ہے۔

☆☆☆

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

خلاصہ

جوش ملیح آبادی نے اس نظم میں صبح کے حسین منظر کا نقشہ بڑے دل فریب انداز میں کھینچا ہے۔ صبح کے وقت ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چلتی ہیں اور پرندوں کے چہکنے کی آوازوں سے ایک عجیب سُرور پیدا ہوتا ہے۔ پھولوں کی مہک سے پوری فضا معطر ہوتی ہے۔ آسماں پر رات بھر چمکنے والے ستارے کی آنکھ جھپک رہی ہے اور وہ ٹمٹما رہا ہے۔ شبنم کا موتی بیلے کی کلی پر ایک ادا کے ساتھ پڑا ہوا ہے۔ صحرا سے آنے والی ہوائیں انسان کے چہرے کی سرخی بڑھا رہی ہیں۔ اور پھولوں کے سرخ لباس کا حسن بھی قابلِ دید ہے۔ جب یہ کلیاں ہوا سے ہلتی ہیں، تو یوں لگتا ہے جیسے کوئی حسینہ اپنے گیلے دوپٹے کو ہوا میں سکھا رہی ہے۔ چاند کے اردگرد تارے اس طرح چھپ رہے ہیں، جیسے کوئی دلہن اپنی پیشانی اور رانگ سے غازہ اتار رہی ہو۔

☆☆☆

تشریحات

البیلی صبح (نظم)

شعر نمبر 1

نظر جھکائے عروس فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارا ہے زلزلے میں افق کی لو تھرتھرا رہی ہے

تشریح

ایک رومانوی شاعر ہونے کی وجہ سے جوش کو مناظر فطرت سے گہرا لگاؤ ہے۔ اس نظم میں وہ صبح کے دلفریب منظر کو بیان کرتے ہیں۔ صبح کا آغاز ہوتا ہے گویا فطرت کی دلہن نے اپنی نظریں جھکائی ہوئی ہیں اور اب حسین چہرے سے زلفیں ہٹا رہی ہے۔ سحر کے ستارے خوف کے مارے لرز رہے ہیں۔ ان کے جانے کا وقت ہو چکا ہے، ان کی موت آنے والی ہے گویا کہ فطرت جو ایک دلہن کی طرح خوب صورت ہے، اس کی زلفیں جو رات کی طرح کالی ہیں، اس نے اپنے روشن چہرے سے ہٹالی ہیں۔

شعر نمبر 2

روش روش نغمہ طرب ہے، چمن چمن جشن رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں کلی کلی گنگنا رہی ہے

تشریح

سحر کا نور ظاہر ہو رہا ہے۔ اس وقت سارے باغ میں خوب صورت رنگوں اور دلفریب خوشبوؤں کا جشن منایا جا رہا ہے۔ درختوں کی شاخوں پر پرندے نغمے گا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ کلی بھی خاموش نہیں ہے اور اس نے گنگنانا شروع کر دیا ہے۔ جوش مناظر سے بہت مانوس ہیں، اس لیے صبح کا اثر ہر چیز میں انھیں نظر آ رہا ہے۔

شعر نمبر 3

ستارۂ صبح کی رسیلی چمکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگار مہتاب کی شیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے

تشریح

صبح کے وقت کا ستارہ تھوڑی دیر کا مہمان ہے۔ اس کی رسیلی آنکھوں میں مجھے کئی کہانیاں نظر آتی ہیں۔ اس طرح جب میں چاند کو دیکھتا ہوں، تو اس کی آنکھیں بھی مجھے فتنے سے بھری ہوئی ملتی ہیں۔ وہ بھی مکمل طور پر اپنا جادو جگاتا ہے۔ اگر انسان اس وقت ان کو دیکھے، تو اس پر ان کے جادو کا فوراً اثر ہو جائے گا۔

شعر نمبر 4

طیور بزم سحر کے مطرب، لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیم فردوس کی سہیلی، گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے

تشریح

صبح کے وقت پرندے چہچہا رہے ہوتے ہیں۔ جوش انھیں صبح کی محفل کے گویے قرار دیتے ہیں۔ وہ فنکاروں کی طرح درخت کی ہر لچکتی شاخ پر بیٹھے نغمے الاپ رہے ہیں اور صبح کی تازہ ہوا جو ابھی ابھی جنت سے نکل کر دنیا میں وارد ہوئی ہے، وہ بھی اس دلفریب انداز سے

چلتی ہے کہ گویا وہ پھول کو سلانے کے لیے جھولا جھلا رہی ہے۔

شعر نمبر 5

کلی پہ بیلے کی کس ادا سے پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی پری مسکرا رہی ہے

تشریح

شبنم بڑے پیارے انداز میں بیلے کی کلی پر پڑی ہے۔ یوں لگتا ہے، جیسے یہ شبنم کا قطرہ نہیں، بلکہ کسی پری کی ناک کی کیل ہے، جس میں ہیرا جڑا ہوا ہے۔ شاعر نے بڑے خوب صورت انداز میں شبنم کے قطرے کو کیل اور بیلے کی کلی کو پری قرار دیا ہے۔

شعر نمبر 6

سحر کو مدنظر ہیں تیز رعائتیں چشم خوں فشاں کی
ہوا بیاباں سے آنے والی ہو مدد سرخی بڑھا رہی ہے

تشریح

صبح کے دلفریب وقت کی آمد کے لیے بہت سی آنکھوں نے خون بہایا، یعنی بہت سے لوگ اس سحر کی آمد کے لیے روئے ہیں، تب جا کر یہ صبح آئی ہے۔ صحراؤں اور بیابانوں سے آنے والی ہواؤں میں جب انسان سانس لیتے ہیں، تو اس سے تازہ لہو پیدا ہوتا ہے اور زندگی میں تندرستی و توانائی آ جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ صبح کی تازہ ہوا صحت کے لیے بہت ضروری ہے۔

شعر نمبر 7

شلوکا پہنے ہوئے گلابی، ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا، ہوا میں پلو سکھا رہی ہے

تشریح

شاعر بتاتے ہیں کہ صبح کے وقت پھولوں کی پنکھڑیوں نے جیسے گلابی رنگ کا لباس پہن رکھا ہو اور ہر کلی اس لباس میں بہت آرام اور سکون سے ہے۔ ہر کلی جب ہوا سے ہلتی ہے، تو

ایسا نظر آتا ہے، جیسے اس نے اپنے دوپٹے کو نیا رنگ دیا ہے اور اب اس دوپٹے کو خشک کرنے کیلئے اسے ہوا میں لہرا رہی ہے۔

شعر نمبر 8

فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی دلہن جبیں سے افشاں چھڑا رہی ہے

تشریح

آسمان پر چاند کے ارد گرد تارے اس طرح چھپ رہے ہیں، جیسے کوئی نئی نویلی دلہن اپنی پیشانی اور مانگ سے غازہ اُتار رہی ہو۔

شعر نمبر 9

کھٹک یہ کیوں دل میں ہو چلی پھر؟ چٹکتی کلیو! ذرا ٹھہرنا
ہوائے گلشن کی نرم رو میں یہ کس کی آواز آ رہی ہے

تشریح

آخری شعر میں جوش کہتے ہیں کہ میرے دل میں پھر ایک خدشہ پیدا ہوا ہے۔ اے کھلنے والی نئی کلیو آپ کو ذرا دیر کیلئے رکنا چاہئے تاکہ میرے دل کا یہ خدشہ دور ہو جائے۔ باغ کی خوشبودار اور آہستہ خرام ہوا میں کسی کی آواز سنائی دے رہی ہے۔ میں ذرا دیکھ لوں یہ آواز کس کی ہے۔

AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلئے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلئے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com

(۴) میراجی

حالاتِ زندگی

میراجی کا اصل نام ثناء اللہ ڈار تھا، منشی مہتاب دین کے ہاں 25 مئی 1912ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد ریلوے میں اسسٹنٹ انجینئر تھے۔ میراجی کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز ہالول (اہاوہ گڑھ) کے اسکول سے ہوا۔ بعد میں اپنے والد کے تبادلوں کی وجہ سے کئی اسکولوں میں تعلیم حاصل کی۔ طالب علمی کے زمانے میں میراجی کی شاعری کا آغاز ہوا۔ ان دنوں ان کا تخلص ساحری تھا اور جس کمرے میں ان کی رہائش تھی، اس کا نام انھوں نے ساحر خانہ رکھا ہوا تھا۔

ادبی خدمات

میراجی ایک وسیع المطالعہ شخص تھے۔ مشرق و مغرب کے علوم کا انھوں نے گہرا مطالعہ کیا تھا۔ 1939ء سے 1942ء تک وہ اردو کے معروف رسالے 'ادبی دنیا' سے وابستہ رہے۔ اسی دوران 1940ء میں جب حلقہ اربابِ ذوق کا قیام عمل میں آیا تو میراجی اس میں شامل ہو گئے۔ 'ادبی دنیا' سے وابستگی کے زمانے میں انھوں نے دنیا بھر کے منتخب شعرا کے ترجمے اور ان کے کلام کے تنقیدی جائزے لکھنا شروع کیے، جو بعد میں 'مشرق و مغرب کے نغمے' کے نام سے شائع ہوئے۔ 1942ء میں 'ادبی دنیا' سے الگ ہو کر آل انڈیا ریڈیو دہلی سے منسلک ہو گئے، بعد میں ماہنامہ 'ساقی' دہلی کی ملازمت اختیار کی۔ 16 اکتوبر 1947ء کو بمبئی گئے اور آخر دم تک وہاں رہے۔

وفات

میراجی نے 3 نومبر 1949ء کو وفات پائی۔

نظم "دور ونزدیک"

(از میراجی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
سہانے	پیارے	سمے	موسم
چاہت	محبت	وحشی	پاگل

مرکزی خیال

میراجی اپنی نظم 'دور ونزدیک' میں اپنے دوست کو بتاتے ہیں کہ میرے دل کے اندر جو محبت کا جذبہ ہے، اس میں اگرچہ دوری ہے، اس دوری کے باوجود یہ جذبہ زندگی بھر میرے ساتھ رہے گا اور میں مرتے دم تک تیری حسین یادوں کو اپنے دل میں لیے پھروں گا۔

☆☆☆

خلاصہ

دوری میراجی کی نظم کا ایک بڑا حوالہ ہے۔ نظم 'دور و نزدیک' میں انھوں نے اسی کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنے دوست سے کہتا ہے کہ جب تک ہم زندہ ہیں، تو میرا دل بھی دھڑکتا رہے گا اور آپ کا بھی اور میں عمر بھر تیری یاد کو ساتھ لیے پھروں گا۔ یہ چاند ستارے، یہ زمین کے خوب صورت موسم اور یہ زندگی کے دوسرے ہنگامے یونہی موجود رہیں گے لیکن میرے دل میں تیری چاہت کا جو جذبہ ہے اور اس سے ہر وقت جو نغمہ بلند ہوتا ہے، یہ سدا سلامت رہے گا، یہ ہمیشہ میرے دل کے پاس رہے گا۔

☆☆☆

دور و نزدیک (نظم)

بند نمبر 1

ترا دل دھڑکتا رہے گا
مرا دل دھڑکتا رہے گا
مگر دور دور

تشریح

میرا جی اس نظم کے ابتدائی حصے میں کہتے ہیں کہ اے میرے دوست! آپ کے اور ہمارے دل کے درمیان جو دوری ہے وہ کبھی بھی نزدیکی میں تبدیل نہیں ہوگی۔ اگرچہ ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو کر مر نہیں جائیں گے، مگر ہمارے دل ایک دوسرے کی جدائی میں دور دور دھڑکتے تڑپتے رہیں گے۔

بند نمبر 2

زمیں پر سہانے سمے آ کے جاتے رہیں گے
یونہی دور دور
ستارے چمکتے رہیں گے
یونہی دور دور
ہر اک شے رہے گی
یونہی دور دور

تشریح

میرا جی کائنات کی دیگر چیزوں کی مثالیں دے کر محبوب سے کہتے ہیں کہ یہ زمین قائم و دائم رہے گی، یہاں پہ خوشیوں کے لمحے بھی آئیں گے، لیکن افسوس کہ ہم ان لمحوں سے دور ہوں گے۔ اسی طرح یہ ستارے بھی چمکتے رہیں گے، ان کی روشنی ہماری دسترس میں نہیں ہوگی۔ کائنات کی ہر چیز یونہی موجود رہے گی، لیکن ہماری بدقسمتی دیکھئے کہ کوئی خوشی بھی ہمارے اختیار میں نہیں ہوگی، اور ہم ہمیشہ اس سے دور رہیں گے۔

بند نمبر ۵

مگر تیری چاہت کا جذبہ
یہ وحشی سا نغمہ
رہے گا ہمیشہ
مرے دل کے اندر
مرے پاس پاس

تشریح

اے دوست! اگرچہ دنیا کی خوبصورتیوں اور خوشیوں پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے، لیکن ایک چیز میرے بس میں ہے اور وہ ہے تیری محبت کا لازوال جذبہ۔ یہ وہ نغمہ ہے، جس نے مجھے پاگل کر رکھا ہے۔ اگر دنیا والے تمام وحشیاں مجھ سے چھین لیں، تو مجھے اس کا کوئی ملال اس لیے نہیں ہوگا کہ تیری محبت کا جذبہ میرے دل میں موجود ہوگا اور یہ زندگی بھر میرے ساتھ رہے گا۔ اگرچہ تم مجھے بھول گئے ہو، لیکن میں ہر وقت تیری یاد کو دل میں لیے پھرتا ہوں۔

AIOU کی بروقت اپ ڈیٹ کیلیے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلیے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com
Joher Videos
www.joheraiou.com

(۵) ن۔م راشد

حالات زندگی

ن م راشد کا اصل نام نذر محمد راشد تھا اور یکم اگست 1910ء کو گوجرانوالہ کے قصبے علی پور چٹھہ میں پیدا ہوئے۔ 1926ء میں علی پور چٹھہ ہی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے اقتصادیات میں ایم اے کیا۔ 1939ء میں آل انڈیا ریڈیو سے منسلک ہو گئے۔ اسی دوران جنگ عظیم شروع ہوئی، تو ن م راشد فوج میں بھرتی ہو گئے اور یوں انھیں عراق، ایران، مصر اور سیلون میں وقت گزارنے کا موقع ملا تو وہاں کی تہذیب و تمدن سے بھی شناسائی ہوئی، جس نے آگے چل کر راشد کی تخلیقی کاوشوں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ 1947ء میں فوج سے رخصت ہوئے اور لکھنو، ٹیشن پر ریجنل ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ 1949ء میں ریڈیو پاکستان کے ہیڈ کوارٹرز میں ڈائریکٹر پبلک ریلیشنز رہے۔ 1952ء میں اقوام متحدہ کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ 1974ء میں یو این انفارمیشن سینٹر تہران سے ڈائریکٹر کی حیثیت میں ریٹائر ہوئے۔

ادبی خدمات

ن م راشد کے کلام کے چار مجموعے ماورا (1942ء) ایران میں اجنبی (1955ء) لا=انسان (1959ء) گماں کا ممکن (1977ء) شائع ہوئے۔ ایران میں قیام کے دوران بائیس فارسی شاعروں کی اسی (80) نظموں کو اردو میں ترجمہ کر کے جدید فارسی شاعر کے نام سے شائع کیا۔ ن م راشد کی شاعری کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں میں چھپ چکے ہیں۔ 10 اکتوبر 1975ء کو وفات پائی۔

شاعری کی خصوصیات

ن م راشد نے اردو شاعری میں اردو نظم کو ایک مضبوط صنف سخن کے طور پر اپنایا اور آزاد نظم میں موضوعی اور ہیئتی سطح پر مختلف تجربات کیے۔ الڈیس ہکسلے، آسکر وائلڈ، ڈی ایچ لارنس، ٹی ایس ایلیٹ، ای ایم فاسٹر، جیمز جوائس، ٹالسٹائی، دوستوفسکی، ایذرا پاؤنڈ، رومی، حافظ اور سعدی نے ن م راشد کی شاعری اور علم و وجدان کو روشنی بخشی۔ ن م راشد کی شاعری کے

موضوع اور ہیئت کے حوالے سے جس جدت اور روایت شکنی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے انتے ہی زیادہ روایت پرست واقعہ ہوئے ہیں اور یہ اسلوب فارسی آمیز ہے، اس کے علاوہ انھوں نے علامتی پیرائیہ اظہار بھی اختیار کیا ہے۔ ن م راشد علامتوں اور استعاروں کے ذریعے انسان اور زندگی کے پوشیدہ گوشوں کو دریافت کرتے ہیں۔

☆☆☆

نظم "میں اسے واقف الفت نہ کروں"

(از ن م راشد)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
شناسائے محبت	محبت سے باخبر	عریاں	ظاہر
اسیر غم الفت	محبت کے غم میں گرفتار	خلش دل	دل کی کسک
دست و گریباں	کشمکش میں ڈالنا۔ الجھنا	دگر آلام	دکھوں کا عادی
شعلہ بداماں	جس کے دامن میں آگ بھری ہو	سحر کیش	خوشی کی صبح
آتش جذبات	آگ سے بھرے ہوئے جذبات	نکہت و نور	خوشبو اور روشنی
معصوم	گناہوں سے پاک	لبریز	بھری ہوئی

مرکزی خیال

ن م راشد نے اس نظم میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ جو شخص محبت کے رمز سے آشنا ہو جاتا ہے، اسے تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

☆☆☆

خلاصہ

راشد کی نظم 'میں اسے واقفِ الفت نہ کروں' ایک رومانوی نظم ہے، جس میں وہ کہتے

ہیں کہ میرا محبوب بہت سادہ اور معصوم ہے، اس نے ابھی رنج اور غم کا کوئی لمحہ نہیں دیکھا۔ بہاروں کا پروردہ ہے اور خزاں سے ناواقف ہے اگر میں نے اس سے محبت کا اظہار کیا، تو وہ ایک تلخ حقیقت سے واقف ہو جائے گا۔ خلشِ دل کی وجہ سے وہ عجیب کشمکش میں مبتلا ہو جائے گا: محبت اس کو مکمل طور پر تباہ کر کے رکھ دے گی اور دنیا کے لوگوں کو اس کے عبرت ناک انجام پر افسوس ہوگا، اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ابھی اس کو محبت اور الفت کے تلخ حقائق کے بارے میں کچھ بھی نہ بتاؤں، تاکہ وہ خوش و خرم زندگی گزار سکے۔

☆☆☆

میں اسے واقف الفت نہ کروں (نظم)

بند نمبر 1

سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں ابھی اس کو شناسائے محبت نہ کروں
روح کو اس کی اسیر غم الفت نہ کروں
اس کو رسوا نہ کروں، وقف مصیبت نہ کروں

تشریح

شاعر کہتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ میرا محبوب ابھی بہت سادہ و معصوم ہے، اس لیے اسکو محبت سے آشنا نہ کروں۔ کیونکہ جب وہ محبت کے درد سے واقف ہو جائے گا۔ تو اس کی روح بھی پریشان ہوگی، وہ نہ صرف بے چین ہو جائے گا، بلکہ رسوا بھی ہو جائے گا۔ اور دنیا والے اسے طرح طرح کے طعنے دیں گے، اس کی زندگی کا سارا سکھ اور ہنسنا کھیلنا ختم ہو جائے گا۔ اگر اسے محبت کی ہوا لگی، تو وہ ہر وقت پریشان رہے گا۔

بند نمبر 2

سوچتا ہوں کہ ابھی رنج سے آزاد ہے وہ
واقف درد نہیں، خوگر آلام نہیں
سحر عیش میں اس کی اثر شام نہیں
زندگی اس کے لئے زہر بھرا جام نہیں

تشریح

مجھے اپنے پیارے محبوب کی معصومیت اور بھولپن اچھا لگتا ہے۔ اگر میں نے اس سے محبت کا اظہار کیا اور اسے اس مصیبت سے واقف کیا، تو بہت بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔ ابھی تو وہ رنج سے بالکل ناواقف ہے اسے درد اور تکالیف کی کوئی عادت بھی نہیں ہے۔ اس کی صبحیں خوشبوؤں سے بھری ہوئی ہیں ان میں شام کا یعنی دکھ کا کوئی لمحہ اور اثر موجود نہیں۔ زندگی نے ابھی تک اسے صرف مسرتیں دی ہیں اور غموں کا جام اس نے آج تک نہیں پیا۔ اس نے کوئی درد بھرا لمحہ نہیں دیکھا، کیونکہ اُس نے ساری عمر خوشیوں میں گزاری ہے۔

بند نمبر 3

سوچتا ہوں کہ محبت ہے جوانی کی خزاں
اس نے دیکھا نہیں دنیا میں بہاروں کے سوا
نکہت و نور سے لبریز نظاروں کے سوا
سبزہ زاروں کے سوا اور ستاروں کے سوا

تشریح

میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جب جوانی میں کوئی محبت کر لیتا ہے، تو اس کی جوانی کا زوال شروع ہو جاتا ہے۔ اس کی جوانی کے باغ میں خزاں کا موسم چھا جاتا ہے۔ میرے دوست نے آج تک دنیا میں بہاروں کے سوا کچھ بھی نہیں دیکھا۔ اس کا واسطہ صرف سبزہ زاروں اور ستاروں سے رہا ہے۔ اس کے قدم کسی صحرا کی گرد سے واقف نہیں ہیں۔ نہ اس نے آسمان پر ستاروں اور روشنیوں کے سوا کوئی اور چیز دیکھی ہے۔ اس نے بہت نازک سی زندگی گزاری ہے۔

بند نمبر 4

سوچتا ہوں کہ غم دل نہ سناؤں اس کو
سامنے اس کے کبھی راز کو عریاں نہ کروں
خلش دل سے اسے دست و گریباں نہ کروں
اس کے جذبات کو میں شعلہ بداماں نہ کروں

تشریح

میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اسے اپنے دل کا غم نہ سناؤں۔ اس کو اپنی محبت کے بارے

ایسا کیا، تو وہ بھی دل کی خلش اور محبت کی سوچوں سے ہر وقت لڑتا جھگڑتا رہے گا، اس کے دل اور محبت کے جھگڑے میں اس کے جذبات میں آگ لگ جائے گی۔ میں اسے اس عذاب میں بالکل مبتلا نہیں کرنا چاہتا، میری خواہش ہے کہ وہ یونہی ہنستا کھیلتا زندگی کے مزے لوٹتا رہے اسے کوئی غم نہ ملے۔

بند نمبر 5

سوچتا ہوں کہ جلا دے گی محبت اس کو
وہ محبت کی بھلا تاب کہاں لائے گی
خود تو وہ آتش جذبات میں جل جائے گی
اور دنیا کو اس انجام میں تڑپائے گی
سوچتا ہوں کہ بہت سادہ و معصوم ہے وہ
میں اسے واقف الفت نہ کروں

تشریح

اس بند میں شاعر کہتا ہے کہ محبت کا اگر میں نے اظہار کیا اور اس کو اس مصیبت میں گرفتار کیا، تو یہ ظالم چیز آگ کی طرح اس کو جلا دے گی۔ وہ اتنا سادہ اور معصوم ہے کہ وہ اس جذبے کی تاب نہیں لا سکے گا۔ اس میں محبت کے جذبات پر قابو پانے کا مادہ بالکل موجود نہیں ہے۔ وہ جذبات کی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے گا۔ اس کی زندگی تباہی و بربادی کی داستان بن جائے گی۔ جب دنیا والے اس کی محبت کے انجام کے بارے میں سنیں گے اور سوچیں گے تو وہ اس پر تڑپ جائیں گے اور ان کو رحم آ جائیگا۔

☆☆☆☆

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

(۶) مجید امجد

حالات زندگی

عبدالمجید نام اور امجد تخلص تھا۔ شہرت مجید امجد کے نام سے ہوئی۔ وہ 29 جون 1914ء کو جھنگ صدر میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میاں علی محمد تھا۔ مجید امجد کی پرورش ان کے نانا نے کی، جن کا شمار جھنگ کے اہل علم میں ہوتا تھا۔ مجید امجد نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم اپنے نانا سے حاصل کی۔ 1930ء میں انھوں نے اسلامیہ ہائی اسکول جھنگ سے میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا اور پھر اسلامیہ کالج (ریلوے روڈ) لاہور سے (بی۔ اے) کا امتحان پاس کیا۔ بی۔ اے کرنے کے بعد مجید امجد واپس جھنگ آئے، تو ایک ہفت روزہ اخبار 'عروج' کے ساتھ وابستہ ہو گئے۔ 1939ء تک وہ عروج کے مدیر رہے اور اس عرصے میں ان کے افکار نظم و نثر برابر عروج میں شائع ہوتے رہے۔ دوسری عالمی جنگ کے آغاز میں برطانوی سامراج کے خلاف ان کی ایک نظم 'قید حیات' عروج کے صفحہ اول پر شائع ہوئی، جس کی پاداش میں انھیں 'عروج' چھوڑنا پڑا اور وہ ڈسٹرکٹ بورڈ جھنگ میں کلرک ہو گئے۔ 1944ء میں وہ محکمہ سول سپلائیز میں انسپکٹر منتخب ہوئے اور چند برسوں کے بعد ترقی پا کر اسسٹنٹ فوڈ کنٹرولر بن گئے۔ اس محکمے کی ملازمت کے دوران میں وہ مختلف علاقوں میں تعینات رہے، مگر ان کی ملازمت کا زیادہ عرصہ ساہیوال میں بسر ہوا اور یہیں سے وہ جون 1972ء کو ریٹائر ہوئے۔

وفات

مجید امجد کی وفات 11 مئی 1974ء کو ساہیوال میں ہوئی، مگر انہیں دفن جھنگ میں کیا گیا۔

شاعرانہ عظمت

مجید امجد کا کلام مقدار اور معیار دونوں کے لحاظ سے دور حاضر کے اکثر اہم شاعروں

سے بڑھ کر ہے۔

سے شائع ہوا۔ وفات کے بعد احباب اور قدر دانانِ فن کی سعی کی بدولت دوسرا ضخیم مجموعہ 'شب رفتہ کے بعد' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ بعض لوگوں نے ان کے بعض مجموعہ ہائے کلام شائع کیے۔ ان کا بیشتر کلام یکجا ہو کر 'کلیاتِ مجید امجد' (مرتبہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا) کی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ مجید امجد کا شمار ایسے نابغہ روزگار شاعروں میں ہوتا ہے، جنھیں اپنی زندگی میں تو کوئی خاص شہرت نہیں ملی، مگر ان کی وفات کے بعد دنیا ان کے فن کو پہچانتی اور ان کی فنکارانہ عظمت کو مانتی ہے۔

شاعری کی خصوصیات

(1) موضوعات کا چناؤ

مجید امجد کے کلام کی نمایاں ترین خصوصیت موضوعات کا چناؤ ہے۔ وہ اردگرد پھیلی ہوئی زندگی اور اس کے مناظر سے کوئی ایسی بات یا تصویر منتخب کرتے ہیں، جو بظاہر بہت عام ہوتی ہے اور کوئی اسے توجہ کے قابل نہیں سمجھتا، مگر مجید امجد اس کے ایسے ایسے گوشے سامنے لاتے ہیں اور نظم کو زندگی کے بڑے بڑے مسائل کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ کر دیتے ہیں کہ وہی عام اور معمولی سی بات ایک غیر معمولی نظم کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔

(2) دردمندی اور حساسیت

مجید امجد کے کلام کا ایک وصف یہ ہے کہ ان کی نظمیں ایک دردمند، حساس، باخبر اور منفرد ذہن و دل کی عکاس ہیں۔ ان کی شاعری اپنے اندر فکر و نظر اور احساس، درد و کرب کی ایک دنیا لیے ہوئے ہے۔ وہ ایسے حادثات پر بھی تڑپتے ہیں، جنھیں کوئی حادثات کہنے اور سمجھنے کو تیار نہیں ہوتا۔ ان کا دل ایسے المیوں پر بھی خون کے آنسو روتا ہے، جنھیں لوگ المیے تسلیم ہی نہیں کرتے۔

(3) ہیئت کے تجربات

مجید امجد کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے اپنی نظموں میں نظمِ معریٰ اور نظمِ آزاد کی ہیئت کے حوالے سے نئے نئے تجربات کیے ہیں، جس طرح ان کی ہر نظم کا موضوع

دوسری نظموں سے الگ ہوتا ہے، اسی طرح ان کی ہر نظم دوسری نظموں سے مختلف ہیئت میں تخلیق ہوئی ہے۔ ان نظموں میں ہیئت کے نو بہ نو تجربات کرتے ہوئے جہاں جہاں انھوں نے روایتی بحر اور وزن کی پابندی کی ہے، وہاں ردیف قافیے کا نظام بھی خود ہی ایجاد کیا ہے، جو روایتی نظام سے یکسر مختلف ہے۔ چنانچہ آج یہ تجربات جدید دور کے شاعروں کو نئی نئی راہیں سجھا رہے ہیں۔

(4) معاشرتی کرب اور جبر کا گہرا شعور

مجید امجد کے کلام کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ان کی نظموں میں معاشرتی کرب اور جبر کا گہرا شعور پایا جاتا ہے۔ وہ اس کرب اور جبر کو اپنی نظم کا موضوع بناتے ہوئے خود بھی تڑپتے ہیں اور قاری کو بھی تڑپاتے ہیں۔ وہ غمِ ذات کو، غمِ کائنات کا رنگ دے دیتے ہیں اور آپ بیتی کو جگ بیتی بنا کر پیش کرتے ہیں۔

(5) جدت تراکیب

مجید امجد کے کلام کا ایک وصف یہ ہے کہ ان کا ذخیرہ الفاظ منفرد اور انوکھا ہے۔ وہ ایک وسیع المطالعہ شخص تھے اور عربی، فارسی، اور انگریزی کے علاوہ ہندی اور پنجابی میں مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بلا مبالغہ سیکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں نئی تراکیب وضع کی ہیں، جو عربی فارسی اور ہندی سے ان کے غیر معمولی شغف کا ثبوت ہیں۔ ان تراکیب کی جدت اور ندرت نے ان کے کلام کے فنی حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں اور ان کی نظموں کو ایک منفرد رنگ و آہنگ بخشا ہے۔

(6) جذباتی گہرائی

مجید امجد کے کلام کا ایک بڑا وصف یہ ہے کہ ان کی نظموں اور غزلوں میں بڑی شدید جذباتی گہرائی پائی جاتی ہے۔ ایسی شدید گہرائی عصرِ حاضر کے کسی اور شاعر کے ہاں نہیں ملتی۔ وہ بیک وقت شاعری کے مختلف اور متضاد رجحانات کے ذریعے قاری کو اپنے جذبات کی گہرائی سے متحیر اور مسحور کر دیتے ہیں۔

☆☆☆☆

(از مجید امجد)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
نفیرِ عمل	عمل کی بانسری، پکار، واویلا	گلہ	شکوہ
شومئی تقدیر	قسمت کی خرابی، بدنصیبی	ناکامئی تدبیر	سوچ بچار کی ناکامی
تلک	تک	شیون	واویلا، آہ وزاری
جور	مظالم	فلک پیر	بوڑھا آسمان
مسلکِ فرہاد	فرہاد کا دستور	برباد خزاں	جس کو خزاں نے برباد کر رکھا ہو۔
چمنستانِ وطن	وطن کا باغ	محرومِ جلی	جلوے سے محروم
شبستانِ وطن	وطن کی راتیں	دبستانِ وطن	وطن کے اسکول
دردِ دل	دل کا درد، بے چینی	جکڑی ہوئی	گرفتار۔ پھنسی ہوئی
پیروی	نقشِ قدم پر چلنا، تقلید	بے مہری ایام	زمانے کی بے وفائی
برپا	جاری	جنسِ گرانمایہ	بہت نایاب اور قیمتی چیز
جاہ جم	جمشید بادشاہ کا رعب و دبدبہ	مکر و ریا	دھوکہ بازی، منافقت
کے	ایران کے قدیم بادشاہوں کا لقب، جن میں کیخسرو، کیقباد اور کیکاؤس زیادہ مشہور ہیں	حشمتِ روم	روم کے بادشاہ قیصر کا جاہ و جلال
خدشہ آلام	مصیبتوں کا خوف	کاسۂ حرص و ہوا	حرص و لالچ کا کاسہ

مرکزی خیال

اس نظم میں شاعر نے اپنے ہم وطن نوجوانوں کو محنت و مشقت کا درس دیا ہے اور

سے وطن کی بگڑی ہوئی قسمت سنوار سکتے ہیں۔اے نوجوانو! آپ سب کو آگے بڑھ کر وطن کی تعمیر و ترقی کے کام میں بھرپور حصہ لینا چاہیے، تاکہ آپ کے دشمنوں کے مذموم عزائم خاک میں مل جائیں۔

☆☆☆

خلاصہ

مجید امجد اپنی نظم ،نفیر عمل میں وطن سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے نوجوانوں کو دعوت عملی دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے میرے وطن کے نوجوانو! آپ کب تک اپنی تقدیر کی خرابی کا گلہ کریں گے۔ آؤ کہ ہم سب وطن کی ترقی کے لئے کام کریں۔ آج ہمارے ملک کی حالت بالکل اس چمن کی طرح ہو چکی ہے۔ جس کو خزاں نے اپنی گرفت میں لے لیا ہو۔ آئیں! سب مل کر اپنے وطن کو کامیاب و کامران کرنے کے لئے متحد ہو جائیں، کیونکہ آرام سے بیٹھ کر کچھ بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ آج دنیا میں ہنگامہ برپا ہے، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا ہو چکا ہے، وفا نامی چیز زمانے میں نایاب ہوتی جا رہی ہے۔ آؤ کہ ہم سب وفا کے جذبات کو پھیلائیں اور محبت کی باتوں کو عام کریں۔ چونکہ ہم سب مسلمان ہیں، اس لئے بڑے بڑے غیر مسلم حکمرانوں اور ان کی طاقت سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم آپس میں مخلص ہوں اور مکر و ریا کو چھوڑ دیں۔ اگر ہم حرص اور لالچ کے کاسے کو توڑ دیں اور عمل جد و جہد کریں، تو ہم دوبارہ عروج حاصل کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

نفیر عمل (نظم)

بند نمبر 1

آؤ کب تک گلہ شومی تقدیر کریں
کب تلک ماتم ناکامی تدبیر کریں
کب تلک شیونِ جورِ فلک پیر کریں

کب تلک سوئے
نوجوانان وطن آؤ کوئی کام کریں

تشریح

مجید امجد قوم کے نوجوان کو بے عملی کی زندگی چھوڑ کر عمل کرنے اور آگے بڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اے میری قوم کے نوجوانو! آپ سب اپنی تقدیر کی بدبختی کا رونا روتے ہو اور یہ گلہ کرتے ہو کہ ہماری قسمت خراب ہے۔ کبھی اپنے بنائے ہوئے منصوبے کی ناکامی پر افسوس کرتے ہو۔ کبھی آسماں کے ستم کا ماتم کرتے ہو، اور کبھی وقت کی بے رحمی اور بے وفائی کا ذکر کرتے ہو۔ لیکن کبھی آپ نے یہ سوچا ہے کہ اس میں آپ کی قسمت اور وقت کی بے وفائی سے زیادہ آپ کا اپنا ہی ہاتھ ہے۔ اگر آج بھی آپ مل جل کر کسی کام کے کرنے کے لیے محنت پر تیار ہو جائیں، تو کامیابی آپ کا مقدر بن جائے گی۔

بند نمبر 2

آج برباد خزاں ہے چمنستان وطن
آج محروم تجلی ہے شبستان وطن
مرکز نالہ و شیون ہے دبستان وطن
وقت ہے چارۂ درد دل ناکام وطن
نوجوانان وطن! آؤ کوئی کام کریں

تشریح

اے میرے وطن کے نواجو! آج آپ دیکھ رہے ہو کہ ہمارا وطن جو ایک باغ کی طرح خوب صورت ہے، اس میں ہر طرف خزاں ہے اور تباہی و بربادی پھیلی ہوئی ہے۔ ہمارے وطن کے لوگ جہاں رات گزارتے ہیں، وہاں بھی کوئی روشنی نہیں ہے اور اندھیرا چھایا ہوا ہے وطن کی درسگاہوں کو دیکھ کر ہمارا دل خون کے آنسو روتا ہے، کیونکہ ان درس گاہوں میں ہمارے وطن کے نونہالوں کو جس طرح کی تعلیم دی جاتی ہے، وہ ہر لحاظ سے قابلِ افسوس ہے، ہمیں اس تباہ شدہ ماحول کو ٹھیک کرنے کا موقع ہمارے ہاتھ میں ہے۔ اگر ہم عمل کر کے آگے بڑھیں۔ تو ہماری یہ تباہی و بربادی ختم ہو سکتی ہے اور ہم ایک بار پھر تعمیرِ وطن کے نیک کام میں

ایک دوسرے کے ساتھی بن سکتے ہیں، لیکن اس کے لیے محنت اور [illegible]

بند نمبر 3

آؤ اجڑی ہوئی بستی کو پھر آباد کریں
آؤ جکڑی ہوئی روحوں کو پھر آزاد کریں
آؤ کچھ پیروئ مسلک فرہاد کریں
یہ نہیں شرط وفا، بیٹھ کے آرام کریں
نوجوانان وطن! آؤ کوئی کام کریں

تشریح

ہمارے شہر، ہمارے قصبے اور ہمارے گاؤں تباہی و بربادی کے دہانے پر پہنچ چکے ہیں، ہم نے ان کو بسانے کی بجائے پھر اجاڑ دیا ہے، اس لیے وقت کی آندھی انھیں مٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ ہماری سوچیں غلام ہیں، بے عملی کی باتوں اور خیالوں نے ہماری روحوں کو گرفتار کر رکھا ہے۔ اس کی آزادی کے لیے ضروری ہے کہ ہم میں فرہاد جیسا حوصلہ ہو اور اس طرح اپنے مقصد کو پانے کی دھن ہم میں موجود ہو۔ ہمیں محنت اور جدوجہد میں فرہاد کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا۔ اس سے تو بات نہیں بنے گی کہ ہم آرام سے بیٹھ جائیں، اپنے مقاصد کی کامیابی کے لیے صرف دعائیں مانگنے بیٹھ جائیں۔ مقصد صرف ان لوگوں کا پورا ہوتا ہے، جو دن رات سخت محنت کرتے ہیں، اس لیے اے میرے وطن کے نوجوانو! آؤ ہم سب مل کر وطن کی تعمیر و ترقی کے لیے محنت کرنا شروع کر دیں۔

بند نمبر 4

ایک ہنگامہ سا ہے آج جہاں میں برپا
آج بھائی ہے سگے بھائی کے خوں کا پیاسا
آج ڈھونڈے سے نہیں ملتی زمانے میں وفا
آؤ اس جنس گرانمایہ کو پھر عام کریں
نوجوانان وطن! آؤ کوئی کام کریں

Joher Videos
USMAN NOTES
www.usmannotes.com

تشریح

حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ دنیا بھر میں دولت کی ہوس کی وجہ سے سگے بھائی آپس میں دشمن ہیں اور ایک دوسرے کو بے دریغ قتل کر رہے ہیں۔ پچھلے زمانے میں لوگوں میں محبت و مروت کی فراوانی تھی، لیکن آج وفا نام کی کوئی چیز کسی میں بھی موجود نہیں۔ ہر شخص پریشان اور مسائل کا شکار ہے۔ ان پریشانیوں کا واحد حل آپس میں محبت اور پیار ہے۔ لہٰذا انسانوں میں محبت کے جذبات جیسی نایاب اور قیمتی چیز کو عام کرنے اور انھیں پھر سے ایک دوسرے کا سچا بھائی بنانے کے لیے جدوجہد اور محنت کی ضرورت ہے اور یہ کام وطن کے نوجوان ہی بہتر انداز میں کر سکتے ہیں۔

بند نمبر 5

جاہ جم سے نہ ڈریں، شوکت کے سے نہ ڈریں
حشمت روم سے اور صولت رے سے نہ ڈریں
ہم جواں ہیں تو یہاں کی کسی شے سے نہ ڈریں
ہم جواں ہیں تو نہ کچھ خدشۂ آلام کریں
نوجوانانِ وطن! آؤ کوئی کام کریں

تشریح

دنیا کی کوئی طاقت ہمارے نوجوانوں کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ اگر ہمارے جذبے جواں ہوں، تو ہمیں نہ ایران کے جمشید جیسے بادشاہ کی تدبیر شکست دی سکتی ہے اور نہ ایران کے، کے خاندان کے حکمرانوں کی طاقت ہمیں ڈرا سکتی ہے۔ نہ روم کا جاہ و جلال نہ ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ رے خاندان کا رعب و دبدبہ ہمارے حوصلے پست کر سکتا ہے۔ اگر ہم جوان ہیں اور ہمارے بازوؤں میں قوت ہے تو ہمیں دنیاوی مصیبتوں اور آج کل کی بڑی طاقتوں سے ہرگز ڈرنا نہیں چاہیے۔ بلکہ ان مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کر کے ہی ہم کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

بند نمبر 6

رشتۂ مکر و ریا توڑ بھی دیں، توڑ بھی دیں
کاسۂ حرص و ہوا، پھوڑ بھی دیں، پھوڑ بھی دیں

اپنی یہ طرزِ ادا چھوڑ بھی دیں،
آؤ کچھ کام کریں، کام کریں،
نوجوانانِ وطن! آؤ کوئی کام کریں

تشریح

آج ہم سب مکروفریب میں مبتلا ہیں اور سب ایک دوسرے کے ساتھ منافقت کررہے ہیں۔ چونکہ دولت کی ہوس نے ہمیں اندھا کررکھا ہے، اس لیے تباہی وبربادی ہمارا مقدر ہے۔ اس مکروفریب کے رشتے کو توڑنا وقت کی اہم ضرورت ہے اور ہر شخص کے ہاتھ میں جو کاسۂ حرص ہے، اس کو بھی ٹکڑے کرنا لازمی ہے۔ اپنا یہ طرزِ زندگی چھوڑنا ہوگا اور محبت وامن کو عام کرنا ہوگا، لیکن (ا) کے لیے بہت زیادہ محنت اور کام کی ضرورت ہے۔ اے میرے وطن کے باہمت نوجوانو! آپ، ہم سب مل کر وطن کی حفاظت اور ترقی کے لیے کام اور محنت شروع کردیں۔

AIOU کی بروقت لیٹ ڈیٹ کیلیے ہمارے یوٹیوب چینل کو سبسکرائب کریں
YouTube Joher Videos
بالکل فری!
AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلیے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں
www.joheraiou.com

(۷) منیر نیازی

حالات زندگی

منیر نیازی جن کا پورا نام محمد منیر خان تھا، فتح محمد خان کے گھر 9 اپریل 1938ء کو مشرقی پنجاب کے شہر ہوشیار پور کی ایک قریبی بستی خانپور میں پیدا ہوئے۔ منیر نیازی کا خاندان کاروبار کے سلسلے میں خانپور سے ساہیوال آ کر آباد ہو گیا تھا۔

تعلیم

منیر نیازی نے گورنمنٹ ہائی اسکول منٹگمری (ساہیوال) سے میٹرک کیا۔ اس کے بعد ایم اے او کالج میں داخلہ لینا چاہا، لیکن چچا نے ان کی مرضی کے برعکس انہیں بحریہ میں بھرتی کروا دیا۔ ایف اے کا امتحان انہوں نے بہاولپور سے پاس کیا۔ قیام پاکستان کے بعد وہ ساہیوال آ گئے انہوں نے 1949ء میں ایک اشاعتی ادارہ ''آرزنگ پبلشرز'' کے نام سے بنایا، جہاں سے وہ ایک ہفت روزہ ''سات رنگ'' نکالتے تھے۔ ساہیوال میں ان کا زیادہ تر وقت مجید امجد کے ساتھ گزرتا تھا۔ 1950ء میں منیر نیازی لاہور آ گئے۔

ادبی خدمات

1949ء میں انہوں نے شاعری کا باقاعدہ آغاز کیا۔ ان کی پہلی نظم کا نام ''بازگشت'' ہے۔ منیر نیازی کا تخلیقی سرمایہ بہت زیادہ ہے۔ انہوں نے کالم نگاری، تنقید نگاری، سفرنامہ نگاری، ترجمہ نگاری اور کہانی لکھنے کے علاوہ اور بھی بہت سے ادبی کام کیے، لیکن ان کا اصل میدان شاعری ہے۔ ان کی شاعری کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں، جن میں ''تیز ہوا اور تنہا پھول، دشمنوں کے درمیان، ماہ منیر، چھے رنگین دروازے، پہلی بات ہی آخری تھی'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کی کلیات ''کلیات منیر'' کے نام سے پہلی دفعہ 1987ء میں شائع ہوئی۔

وفات

منیر نیازی 2006ء میں انتقال کر گئے۔

شاعری کی خصوصیات

دوسرے شعرا کے برعکس منیر نیازی کی شاعری میں کئی منفرد خصوصیات ملتی ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(1) پُراسراریت

منیر نیازی کی نظم کی سب سے دلچسپ اور منفرد خصوصیت اس کی پُراسراریت اور روحانی قسم کی فضا ہے، جس سے ان کی نظم روحانیت، پُراسراریت اور رومانیت کا ایک حسین امتزاج بن گئی ہے۔

(2) خوف اور آسیب

ان کی نظم تنہائی، خوف اور آسیب سے تشکیل پاتی ہے۔ منیر کی نظمیں پڑھ کر ایک آسیب زدہ کردار کا پیکر اُبھرتا ہے، جسے ہر بند دروازے کے پیچھے چڑیلیں، ہر تاریک راستے میں آسیب اور ہر کھلے میدان میں جادو نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر رشید امجد، ان کی نظم کے خدوخال یوں واضح کرتے ہیں:

"ان کی نظموں میں ایک خوف زدہ دوڑتے ہوئے انسان کی تصویر اُبھرتی ہے، جس کے پیچھے کوئی جلاد ننگی تلوار لے کر بھاگ رہا ہو۔ یہ انسان دراصل اپنے ہی خوف کا خوف زدہ انسان ہے، جس کے پیچھے ضرورتیں اور قدریں چڑیلیں بن کر دوڑ رہی ہیں، اسے ڈرا رہی ہیں۔ اگر کبھی اس خوف زدہ انسان کی ذہنی گرہ کو کسی نفسیاتی، سماجی یا سیاسی پس منظر میں کھول لیا گیا، تو ان نظموں کا مفہوم یکسر بدل جائے گا۔

☆☆☆

Joher Videos

نظم ''اپنے شہروں کیلئے دُعا''

(از منیر نیازی)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
پائندہ	ہمیشہ زندہ رہنے والے	عکس	شبیہ، تصویر
ضیا	روشنی	ارض خدا	خدا کی زمین مراد یہ دنیا
باطل	جھوٹا، جو حق پر نہ ہو	عظمت	بڑائی، بزرگی
سرچشموں	جہاں سے چشمے پھوٹتے ہیں، منبع	حق	سچائی، یہاں مراد اللہ تعالیٰ ہے
رضا	مرضی	اجالوں	روشنیوں

☆☆☆

مرکزی خیال

اس نظم ''اپنے شہروں کے لئے دعا'' میں شاعر منیر نیازی نے والہانہ انداز میں پاکستان کے شہروں سے لازوال محبت کا اظہار کیا ہے۔ اور ان کی سلامتی اور بقا کے لئے دعائیں مانگی ہیں کہ اے میرے وطن کے شہرو! تم سدا سلامت اور آباد رہو، تاکہ تمہارے دشمنوں کے حوصلے پست ہوں اور یہاں ہمیشہ حق وصداقت کا بول بالا رہے، یہاں علم کا نور پھیلے اور جہالت کی تاریکیوں کا خاتمہ ہو سکے۔ اے شہرو! تم نور اور روشنی کی علامت ہو، تم شاد اور آباد رہو۔

☆☆☆

خلاصہ

نظم ''اپنے شہروں کے لئے دعا'' میں منیر نیازی نے اپنے ملک پاکستان کے تمام

شہروں سے اپنی گہری عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ وہ والہانہ انداز میں اپنے شہروں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اے پاکستان کے سارے شہرو! تم سب زندہ اور آباد رہو، تم روشن رنگوں کی لہریں ہو، جس طرح آسمان پر چاند ستارے ہیں، تم زمین پر بالکل ان کی طرح رہو۔ موسم آ کر تم پر اپنے خوب صورت رنگ برساتے رہیں گے۔ کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر مہکتے باغوں کی مانند ہو۔ باطل تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہے، لیکن تم اس سے کبھی نہ ڈرنا اور کفر کی روک تھام کر کے اس کے رستے میں عظمت و ہیبت کی دیوار بن جانا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور حمایت تمہارے ساتھ ہے، اس کے علاوہ میری دعائیں اور وفائیں بھی تمہارے ساتھ ہیں، اس لیے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تم نئی روشنیاں پھیلانے والے سرچشموں کی طرح ہو۔ خدا کرے کہ تم ہمیشہ زندہ اور پائندہ رہو تا کہ ہمارے ملک میں علم کا نور پھیل جائے اور ہر جگہ سے ظلمت کے اندھیرے ختم ہو جائیں۔

☆☆☆

اپنے شہروں کیلئے دُعا (نظم)

بند نمبر 1

پاکستان کے سارے شہرو!
زندہ رہو! پائندہ رہو
روشنیوں، رنگوں کی لہرو
زندہ رہو پائندہ رہو

تشریح

منیر نیازی پاکستان کے سارے شہروں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ تم سب ہمیشہ کی زندگی پاؤ اور تمہاری تابناکی سدا برقرار رہے۔ تم روشنیوں اور رنگوں کی حسین لہروں کی طرح زندہ رہو اور یہ سب اُجالے اور رنگ سلامت رہیں۔ میری دعا ہے کہ تم سدا سلامت اور آباد رہو تا کہ تمہارے رہنے والے خوشحال زندگی گزار سکیں۔

Joher Videos

بند نمبر 2

عکس پڑیں جس جگہ تمہارے
چمکے زمین ان کی ضیا سے
میرے وطن کے چاند ستارو!
زندہ رہو پائندہ رہو

تشریح

جس جگہ پر تمہاری روشنیوں کے عکس پڑتے ہیں، وہاں کی زمین اس روشنی سے چمک اٹھتی ہے۔ یوں لگتا ہے، جیسے یہ پاکستان کے شہر میرے وطن کے چاند اور ستارے ہیں، جس سے یہاں کے گوشے گوشے چمکتے اور دمکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اللہ ان شہروں کو ہمیشہ قائم ودائم رکھے۔

بند نمبر 3

موسم آئیں گزرتے جائیں
تم پر رنگ برستے جائیں
ارض خدا پہ مہکتے باغو
زندہ رہو پائندہ رہو

تشریح

میرے وطن میں موسم آتے اور جاتے ہیں۔ ہر موسم کے اپنے رنگ ہیں۔ اے میرے وطن کے شہرو! یہ موسم تو یوں ہی آتے اور گزرتے جائیں گے اور تم پر اپنے خوب صورت رنگ بکھیرتے جائیں گے، جن سے تمہارے حسن میں مزید اضافہ ہوگا۔ تم اللہ تعالیٰ کی اس دنیا کے وہ باغ ہو، جو خوشبوؤں اور خوش رنگ پھولوں سے بھرے رہتے ہیں۔ تم یونہی زندہ و پائندہ اور مہکتے رہو۔

بند نمبر 4

باطل سے تم کبھی نہ ڈرنا

کفر کبھی منظور نہ کرنا
عظمت، ہیبت کی دیوارو
زندہ رہو پائندہ رہو

تشریح

اے میرے وطن کے شہرو! تم نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا ہے، کیونکہ تمہارے در و دیوار میں بہت سے حق پرست رہتے ہیں۔ اس لیے تمہیں باطل سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے خلاف کوئی بھی بات منظور نہیں کرنی چاہیے۔ تم عظمت اور خوف کی وہ علامت ہو، جسے دیکھ کر دشمن کانپ اٹھتے ہیں۔ خدانخواستہ اگر کوئی بُرا وقت آیا، تو تمہارے چاہنے والے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے۔

بند نمبر 5

حق کی رضا ہے ساتھ تمہارے
میری وفا ہے ساتھ تمہارے
نئے اُجالوں کے سرچشمو
زندہ رہو پائندہ رہو

تشریح

اس بند میں منیر نیازی اپنے شہروں کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر حالات خراب بھی ہو جائیں، تو تمہیں مایوس نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رضا تمہارے ساتھ ہے اور جب اللہ کسی کے ساتھ ہوتا ہے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت بھی اسے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اس کے علاوہ میری وفائیں اور نیک تمنائیں بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ تم سے اُجالے پھوٹتے ہیں اور تم روشنی پھیلانے کا منبع ہو۔ میری دعا ہے کہ تم یونہی ہنستے بستے اور زندہ و تابندہ رہو۔

☆☆☆☆



(۸) ڈاکٹر وزیر آغا

حالات زندگی

وزیر آغا دور حاضر کے ایک منفرد نظم گو شاعر ہیں۔ وہ تصوف کی بات کرتے ہیں، نہ ترقی پسندی کی۔ انہوں نے عام روش پر چلنے کی بجائے اپنے لیے ایک الگ راستہ تلاش کیا۔ وہ کسی سے متاثر نہیں، البتہ ان کی شاعری پر میرا جی کے علاوہ مغربی شاعری کے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ انہوں نے مغرب سے نہ صرف استعارات و علامات کا ایک پورا ذخیرہ حاصل کیا، بلکہ اس سے انفرادیت بھی سیکھی۔

نظم کی خصوصیات

ایہام

وزیر آغا کی نظم میں ایہام بھی موجود ہے لیکن یہ اس طرح کا ایہام ہرگز نہیں، جو قاری کی سمجھ میں ہی نہ آ سکے۔ اس میں تھوڑی بہت آسانی ضرور موجود ہے۔

امیج

وزیر آغا امیج اور علامت کی زبان میں بات کرتے ہیں۔ ان کی تقریباً ہر نظم ایک امیج پر مشتمل ہوتی ہے اور یہ امیج فطرت سے ماخوذ ہوتا ہے، جس سے وہ لاشعوری طور پر پیار کرتے ہیں۔ پڑھنے والا سب سے پہلے امیج کی خوب صورتی سے لطف اٹھاتا ہے اور پھر خیال و معنی سے۔

علامت

ان کی نظم میں علامت ایک نازک اور مہین پردے کا کام کر کے دلکشی پیدا کرتی ہے، لیکن یہ قاری کو معنی کی تلاش میں سرگرداں نہیں کرتی، بلکہ تھوڑی سی کوشش سے پڑھنے والا آسانی کے ساتھ مطلب تک پہنچ سکتا ہے۔

موت کا خوف

ان کے ہاں موت کا خوف مختلف صورتوں میں سامنے آتا ہے۔ان کی نظم میں تیرگی کا ذکر دراصل موت کی طرف اشارہ ہے،لیکن بنیادی طور پر وہ قنوطی نہیں، انہیں زندگی اور زمین دونوں سے پیار ہے۔

ان کی نظموں میں ''جسم، میں اور تو، دکھ، زندگی، ملاقات اور چمکتا لمحہ'' وغیرہ نہ صرف یہ کہ عمدہ نظمیں ہیں، بلکہ مندرجہ بالا خصوصیات کا واضح اظہار بھی ان میں موجود ہے۔

☆☆☆☆

نظم ''کوہ ندا''

(از ڈاکٹر وزیر آغا)

مشکل الفاظ کے معانی

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مل	کارخانہ	تند صدا	تیز آواز
باڑے	چاردیواری	کہرام	شور
گلے	ریوڑ	ہانک کر	بھیڑوں کو باہر نکالنے کا ۲، بھیڑوں کو چلانا
گڑ جاتی	سختی سے اندر جاتی ہے	سیخ	لوہے کی سلاخ
سناٹا	خاموشی	نچی	اکیلی، بے سہارا

مرکزی خیال

اس علامتی نظم میں ڈاکٹر وزیر آغا اپنی تنہائی کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک طرف تو صبح ہوتے ہی زندگی کے ہنگامے شروع ہو جاتے ہیں، سب لوگ اپنے اپنے کاموں پر جاتے ہیں، بے جان چیزیں بھی کسی نہ کسی طرح رفاقت اختیار کر لیتی ہیں، لیکن دوسری طرف میری تنہائی

ہوں، یہ انتظار بالکل پہاڑ کاٹنے کے مترادف ہے۔

☆☆☆

خلاصہ

شاعر اس نظم میں زندگی کے ہنگاموں میں اپنے اکیلے پن کے بارے میں بتاتا ہے کہ صبح سویرے موذن ایک لرزتی کانپتی آواز میں بستی کے رہنے والوں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے یہ صدائیں لگاتا ہے کہ اے سونے والو! تم اپنے رب کو بھول گئے ہو۔ اس کے بعد قریب کی مل سے ایک خوفناک سائرن بجتا ہے، جو ساری بستی کو جگا دیتا ہے۔ بستی کے وہ لوگ جو تھوڑی دیر پہلے خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے اب اپنے اپنے کاموں کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی چرواہا بھیڑوں کے باڑے میں آ گیا ہو اور انہیں ہانک کر لے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد ریل کا انجن بھی چل پڑتا ہے اور وہ بوگی جو رات اکیلے پٹڑی پر کھڑی تھی، وہ بھی انجن کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر سفر شروع کر دیتی ہے۔ ایک طرف یہ حال ہے کہ سب لوگ یہاں تک کہ بے جان چیزیں بہت مصروف ہیں اور دوسری طرف میں ہوں کہ اکیلا پڑا، وقت کی ساعتیں گن رہا ہوں، بڑی مشکل سے رات شام کرتا ہوں، نہ کوئی میرے پاس آتا ہے نہ مجھے کوئی بلاتا ہے۔

☆☆☆

کوہ ندا (نظم)

بند نمبر 1

صبح سویرے
ایک لرزتی کانپتی سی آواز آتی ہے
سونے والو! تم مالک کو بھول گئے ہو
تم مالک کو بھول گئے ہو

Joher Videos
www.joheraiou.com

تشریح

ڈاکٹر وزیر آغا اپنی اس علامتی نظم کے آغاز میں کہتے ہیں کہ صبح سویرے ایک کمزور کی لرزتی آواز آتی ہے، جو سونے والے لوگوں سے مخاطب ہوتی ہے۔ اے سونے والو! تم غفلت کی نیند میں پڑے سوتے ہو، تم یہ بھول گئے ہو کہ تمہارا مالک کون ہے؟ کس نے تمہیں پیدا کیا اور کون تمہیں رزق دیتا ہے؟ یوں لگتا ہے۔ شاعر نے جس آواز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ موذن کی اذان ہے۔ جس میں وہ لوگوں کو بیدار کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تیار کرتا ہے۔

بند نمبر 2

پھر چکیلی مل کا سائرن
ایک غلیظ ڈراؤنی تند صدا کے روپ میں داخل کر
دیواروں سے ٹکراتا ہے
اور گلیوں کے
تنگ اندھیرے باڑے میں کہرام مچا کر
بھیڑوں کے گلے کو ہانک لے جاتا ہے

تشریح

بستی کے قریب جو کارخانہ ہے، اس سے سات بجے کے قریب ایک تیز آواز نکلتی ہے، جو ایک چیخ کی مانند ہوتی ہے۔ اس سے شفٹ تبدیل ہو جاتی ہے اور رات کو کام کرنے والے مزدوروں کی چھٹی ہوتی ہے، جبکہ دن والے مزدور اپنی ڈیوٹی کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ جب مل کی یہ تیز آواز بستی کی گلیوں کی دیواروں سے ٹکراتی ہے تو سارے لوگ بیدار ہو جاتے ہیں اور زندگی کی بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ بستی جانوروں کے ایک باڑے کی طرح ہے جس میں کسی کے داخل ہوتے ہی جانور اِدھر اُدھر بھاگنا شروع کر دیتے ہیں، سارے لوگ اپنے کاموں کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔

بند نمبر 3

پھر انجن کی سیٹی

اور شب بھر کی تھکی ہوئی اک ریل کی بوگی
اپنی کلائی انجن کے پنجے میں دے کر
چل پڑتی ہے

تشریح

صبح ہوتے ہی ریل کا انجن بھی آواز لگا کر اپنی موجودگی کا احساس دلاتا ہے۔ وہ بھی سفر پر روانہ ہو جاتا ہے اور اس کی چیخ میرے کان میں نیزے کی طرح اترتی ہے۔ مجھے اس کی آواز سے بہت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ انجن کے پیچھے ریل کا وہ ڈبہ بھی لگایا جاتا ہے، جو رات بھر پٹڑی پر کھڑا کسی کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ انجن کے ہاتھوں میں ہاتھ دے کر چلنا شروع کر دیتا ہے اور انجن کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔

بند نمبر 4

پھر اک دم سناٹا چھا جاتا ہے
اور میں گھڑی کی ظالم سوئیوں کی ٹک ٹک میں
دن کے زرد پہاڑ پہ چڑھنے لگتا ہوں

تشریح

آخری حصے میں شاعر اپنی تنہائی کا نقشہ بیان کرتا ہے کہ صبح کی اذان، مل کی آواز اور ریل کی سیٹی کے بعد جب سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں تو اس کے بعد مکمل خاموشی چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔ اتنے سارے ہنگاموں کے باوجود میں تنہا ہو جاتا ہوں اور پھر گھڑی کی چلنے والی سوئیوں کی آوازیں آنا شروع ہو جاتی ہیں، جو نہ کسی کا انتظار کرتی ہیں اور نہ کسی کی تنہائی کا لحاظ، بلکہ اپنی دھن میں وقت کو آگے بڑھاتی ہیں۔ میں بھی وقت کے ساتھ تنہائی کا وہ دن جو ایک پہاڑ کی طرح مشکل ہوتا ہے، کاٹنے لگ جاتا ہوں۔

☆☆☆☆

Joher Videos

باب 9

قواعد وانشاء

(۱) علم بدیع

علم بدیع وہ علم ہے جس کے ذریعے کلام یعنی نظم و نثر کی خوبی و خوبصورتی کا علم ہوتا ہے۔ کلام کی یہ خوبی و خوبصورتی الفاظ میں بھی ہو سکتی ہے اور معنی میں بھی۔ اس کو صنائع لفظی اور صنائع معنوی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا مختصر تفصیل درج ذیل ہے۔

(1) مراعاۃ النظیر

ایک ہی مضمون سے تعلق رکھنے والے الفاظ کو خوبی اور سلیقے سے استعمال کیا جائے تو پڑھنے اور سننے میں عبارت اچھی لگتی ہے۔ مثلاً

پتا پتا، بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

الفاظ کی ایسی مناسبت کو مراعاۃ النظیر کہتے ہیں۔ جیسے باغ کے ذکر میں روش، تختہ، سرو چمن، گل و بلبل وغیرہ کا ذکر کرنا۔

(2) صنعت تضاد

نظم یا نثر میں دو متضاد الفاظ کا استعمال کرنا مثلاً حق و باطل، صبح و شام، دھوپ چھاؤں وغیرہ کو یکجا کر دینے سے شعر یا عبارت خوبصورت بن جاتی ہے۔ جیسے۔

ایک سب آگ، ایک سب پانی
دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں

(3) حسن تعلیل

کسی بات کی ایسی خوشنما علت یا شاعرانہ وجہ بیان کرنا جو حقیقت میں اصل وجہ نہ ہو۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

(4) صنعت مبالغہ

نظم یا نثر میں کسی بات کو اس قدر حد سے زیادہ بڑھا چڑھا کر بیان کرنا کہ سننے والے کو یقین نہ آئے۔ مثلاً

اب یہ حالت ہے کہ ان سا بے درد
میرے مرنے کی دعا مانگے ہے

(5) صنعت تلمیح

نظم یا نثر میں ایک لفظ یا چند الفاظ کے ذریعے کسی مشہور تاریخی واقعہ، آیت یا روایت کی طرف اشارہ کرنا مثلاً

ابن مریم ہوا کرے کوئی
میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

''ابن مریم'' کا لفظ استعمال کر کے شاعر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے بیماروں کو شفایاب کر دینے والے معجزے کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

(6) صنعت مہملہ

ایسے الفاظ کا استعمال، جن میں نقطے استعمال نہ ہوں مثلاً

ہم طالع ہما مرا وہم رسا ہوا
طاؤس کلک مدح اُڑا اور ہما ہوا

☆☆☆☆

(۲) رموز اوقاف

ہم اپنی بات دوسروں تک دو ذرائع سے پہنچاتے ہیں۔ ایک گفتگو یا تقریر کے ذریعے اور دوسرا تحریر کے ذریعے ..... تقریر یا گفتگو میں یہ سہولت ہوتی ہے کہ ہم چہرے

کے تاثرات یا اشاروں (باڈی لینگویج) اور ٹھہر کر یا رک کر یا استفہامیہ انداز اپنا کر اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکتے ہیں، جب کہ تحریر میں یہی کام علامتوں سے لیا جاتا ہے، جنہیں رموز اوقاف کہتے ہیں۔

''رموز'' رمز کی جمع ہے اور اس سے مراد اشارہ ہے جبکہ اوقاف وقف کی جمع ہے اور اس کا مطلب رکنا یا ٹھہرنا ہے۔ گویا رموز اوقاف ایسی علامات ہیں، جو ایک جملے کو دوسرے جملے یا ایک جملے کے مختلف حصوں کو الگ الگ کرتی ہیں۔ ان علامات کو دیکھ کر قاری سمجھ جاتا ہے کہ یہاں رکنا ہے، تو کتنی دیر یا جملے کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ یہ اشارات اور وقفے دنیا کی تمام زبانوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ ہم انہیں قرآن پاک میں بھی دیکھتے ہیں۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ تفہیم عبارت میں سہولت میسر آتی ہے۔

یاد رہے کہ رموز اوقاف کے نہ ہونے سے تحریر کی تفہیم میں دقت ہوتی ہے، بلکہ بعض اوقات قاری اپنی مرضی کا مطلب اخذ کر سکتا ہے، جو لکھنے والے کی منشا کے الٹ بھی ہو سکتا ہے، مثلاً رکو مت دوڑو۔

اس جملے سے دو مفہوم لیے جا سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ رکو مت، بس دوڑتے رہو اور دوسرا یہ کہ رک جاؤ اور دوڑنا ختم کر دو..... اب اگر علامت لگا دیں، تو بات واضح ہو جائے گی۔

رکو مت! دوڑو۔

مفہوم واضح ہے کہ دوڑنا ہے اور اگر علامت اس طرح لگا دی جائے۔

رکو! مت دوڑو۔

اب جملے کا مطلب یہ لیا جائے گا کہ رک جانا ہے، دوڑنا نہیں۔ یہ مثال علامات وقف کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ زیادہ استعمال ہونے والے رموز اوقاف کی وضاحت درج ذیل ہے۔

(1) سکتہ Comma(،)

تعریف

یہ ایک چھوٹا سا وقفہ ہے۔ جملے میں جہاں ذرا دیر رکنا ہو، وہاں یہ علامت لگاتے ہیں۔ علامت: (،)

وضاحت

اگر کسی جملے میں دو سے زائد نام آئیں، تو آخری کو چھوڑ کر باقی کے درمیان سکتے

کی علامت لگاتے ہیں، جیسے: اشفاق، فاروق اور [illegible]
حامد سیر کو نکل گئے۔

بچے، مرد اور عورتیں میلہ دیکھنے گئے۔

☆ اگر اسما کی جگہ ضمائر آئیں، تو ان ضمائر کے مابین بھی سکتے کی علامت لگاتے ہیں، جیسے: میں، آپ اور وہ ایک ہی ریل کے مسافر ہیں۔

☆ اسما کی بجائے اگر اوصاف (Adjective) دو سے زائد ہوں، تو بھی یہ علامت لگاتے ہیں، جیسے: ارشد ذہین، زود فہم اور دیانت دار افسر ہے۔

☆ دو سے زائد افعال کے درمیان، جیسے: وہ آیا، دیکھا اور بیٹھ گیا۔

☆ کسی طویل جملے کو حصوں میں تقسیم کرنا، جیسے: کیسی ہی مشکلات آئیں، آسمان ٹوٹے یا زمین پھٹے، آپ خدا کی یاد دل میں بسائے رکھیں۔

☆ شرطیہ جملوں میں، جیسے: اگر میرے بڑے ہوتے، تو اول آتے۔

اسی طرح اور بھی بہت سے مقامات ایسے ہیں، جہاں سکتہ لگایا جاتا ہے۔

(2) وقفہ (؛) Semi Colon

تعریف

جہاں سکتے کی نسبت زیادہ ٹھہراؤ ہو، وہاں یہ علامت لگاتے ہیں۔

علامت: (؛)

وضاحت

بڑے جملے کے حصوں کو الگ کرنے کے لئے:

ہمارا سماجی ڈھانچہ درہم برہم ہو چکا ہے؛ اخلاقیات کا نظام تلپٹ ہو چکا ہے؛ قومی اتحاد نام کی کوئی چیز نہیں رہی؛ ہم دنیا میں مذاق بن کر رہ گئے ہیں۔

☆ جب جملوں میں تاکید مقصود ہو، تو یہ علامت لگاتے ہیں، جیسے

آپ کو اس ملک نے آزادی دی؛ روزگار دیا؛ عزت دی؛ محبت دی؛ آخر اور کیا چاہتے ہو؟

☆ جب اجزا پر زور دینا مقصود ہو، جیسے: تم روئے، تو ماں تڑپ اٹھی؛ تم پریشان ہوئے، تو اس کے آنسو امڈ آئے؛ اس نے تمہیں پالا پوسا؛ پرورش کی؛ بڑا کیا اور اب تمہاری یہ گستاخیاں۔

تعریف

جہاں وقفے سے زیادہ ٹھہراؤ ظاہر کرنا ہو، وہاں یہ علامت لگاتے ہیں۔

علامت: (:)

وضاحت

☆ کسی ضرب المثل یا معروف قول سے پہلے، جیسے: قائداعظم کا قول: کام، کام اور بس کام۔

☆ ایک دانا کا فرمان ہے: چاند کا تھوکا منہ پر۔

☆ مثالوں سے پہلے، جیسے: لاہور میں کئی ایک مغل بادشاہوں کی یادگاریں ہیں، مثلاً: شاہی مسجد، شاہی قلعہ، مقبرہ جہانگیر اور شالامار باغ وغیرہ

☆ الفاظ اور معنی کے درمیان، جیسے: چارو ناچار: مجبوراً۔ ڈھب پر چڑھنا: قابو میں آنا

☆ حرف توجیہہ اور حرف تاکید کی جگہ پر، جیسے: نشے سے بچو: نشہ موت کا دوسرا نام ہے۔ دعوے بہت کرتا ہے: عمل نہیں کرے گا۔

(4) تفصیلیہ Colon Dash (:-)

تعریف

جب کسی بات کی تفصیل بتانا مقصود ہو، یہ علامت لگاتے ہیں۔

علامت: (:-)

وضاحت

☆ عموماً مندرجہ ذیل، درج ذیل، مختصر یہ کہ..... کے بعد جیسے:

☆ لازمی مضامین یہ ہوں گے:-

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات درج ذیل ہیں:-

☆☆ طویل اقتباس کے لئے

سیالکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا:-

(5) ختمہ Full Stop (-)

تعریف

کسی جملے کے اختتام پر یہ علامت لگائی جاتی ہے۔ انگریزی میں نقطہ اور اردو میں مختصر لائن لگاتے ہیں۔

علامت: (-)

وضاحت

☆ جملے کے اختتام پر: علم کے بغیر افراد اور اقوام دھرتی پر بوجھ ہیں۔

☆ مختلف الفاظ کے مخفف درج کرتے ہوئے، جیسے: پی ایچ۔ڈی

نوٹ: یہ انگریزی زبان سے ہو بہو اپنا لیا گیا ہے۔ انگریزی میں تو حروف تہجی کے آپس میں گڈمڈ ہونے کے خدشے کے پیش نظر کیا جاتا ہے، اردو میں ایسا کوئی خدشہ نہیں، مثلاً: ایم بی اے یا ایس ایس لکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

(6) سوالیہ (?) Mark of Interrogation

تعریف

سوالیہ یا استفہامیہ جملوں کے آخر میں لگایا جاتا ہے۔

علامت: (?)

وضاحت

☆ آپ کب تشریف لائے؟ ☆ دوسرا پریڈ کے بجے ہوگا؟

☆ آپ کا اسم گرامی؟

(7) فجائیہ، استعجابیہ، ندائیہ (!) Mark of Exclamation

تعریف

جس جملے میں کسی جذبے، مثلاً: غصے، ناراضی، حیرت، خوف یا خوشی کا اظہار کیا گیا ہو۔ اسے فجائیہ کہیں گے۔

آہا! ہم نے میچ جیت لیا۔ اف! میں تو مارا گیا۔

افوہ! اتنی گرمی اور لوڈ شیڈنگ۔

استعجابیہ: حیرت: اتنی بلند عمارت!

ندائیہ: جس کسی کو پکارا جائے، جیسے: شاہد! کہاں ہو؟ یا اللہ! رحم کر۔

(8) قوسین ( ) Barckets

اس کو خطوط وحدانی بھی کہا جاتا ہے۔ کسی لفظ یا جملے کو ممتاز کرنا یا اس کی وضاحت کرنا

پروفیسر ارشد (علم عروض کے ماہر) طلبہ کی بے لوث خدمت کر رہے ہیں۔
مشتاق یوسفی (ممتاز مزاح نگار) کی آخری کتاب عنقریب چھپے گی۔
حنا عباس کی بہن (ہما) جماعت میں اول آئی۔

(9) خط (—) Dash

یہ قوسین کا متبادل استعمال ہوتا ہے۔

☆ میرے دوست! یہ آپ کی حماقت ہے کہ رمیز جیسے بدنام آدمی ____ جسے آدمی کہنا بھی آدمیت کی توہین ہے، پر اعتماد کیا۔

☆ یہ علامت بعض اوقات وضاحت اور تشریح کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔
وہ اپنا سارا اثاثہ ____ جاگیر، کوٹھی اور دکانیں بیچ کر لندن چلا گیا۔
استاد محترم کی اصل متاع ____ کتابیں، رسائل اور اسناد ان کیلئے باعث افتخار تھیں۔

(10) واوین (" ") Inverted Commas

یہ علامت کسی اقتباس یا قول کے دونوں طرف لگاتے ہیں مثلاً:

☆ اس اقتباس کی تشریح کریں:

"..... ...."

حضور ﷺ کا فرمان ہے: "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"

☆☆☆

(۳) آپ بیتی

آپ بیتی خودنوشت سوانح عمری ہوتی ہے۔ اس میں کوئی بھی شخص اپنے اوپر گزرے حالات اور واقعات شروع سے لے کر ایک تسلسل اور ترتیب کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ اسے انگریزی میں آٹو بائیوگرافی اور فارسی میں خودنوشت کہتے ہیں۔ ہر شخص کی زندگی کے چونکہ بہت سے گوشے دوسروں کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں، اس لیے جب وہ ان گوشوں سے خود

Joher Videos
USMAN NOTES
www.usmannotes.com

پردہ اٹھاتا ہے، تو قارئین کے لئے دلچسپی کے کئی پہلو نکل آتے ہیں۔ آپ بیتی ایسی صنف ادب ہے جسے نہایت ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے۔

اردو ادب میں بہت سی مشہور آپ بیتیاں موجود ہیں۔ البتہ امتحان میں جو آپ بیتی لکھنے کو کہا جاتا ہے، وہ فرضی ہوتی ہے اس کا زیادہ تر تعلق جانوروں، پودوں یا بے جان اشیا سے ہوتا ہے اور ان اشیا کو جاندار سمجھ کر ان پر بیتے ہوئے احوال کا ذکر کیا جاتا ہے، مثلاً: اگر گلاب کے پھول پر آپ بیتی لکھنے کو کہا جائے، تو آپ خود کو گلاب کا پھول تصور کر کے اپنے تخیل کے زور پر وہ باتیں لکھیں گے، جو ایک پھول کو پیش آ سکتی ہیں۔

آپ بیتی ایک فرضی کہانی ہوتی ہے، جو حقیقت کے قریب تر ہونی چاہیے اور اس کا انداز ایسا ہو کہ دلچسپی کا پہلو نمایاں رہے؛ اس میں تحریک کی کیفیت بھی ہو اور قاری یہ سمجھے کہ سچ مچ ایسا ہی تھا۔ زبان اور بیان حالات و واقعات کے مطابق ہو اور مبالغہ آرائی سے کام نہ لیا گیا ہو۔ انداز بیان فطرت کے قریب ہو؛ اور بے ساختگی اور شگفتگی کے عناصر موجود ہوں۔

آئندہ صفحات میں نمونے کی چند آپ بیتیاں دی جا رہی ہیں۔ ان کا بغور مطالعہ کریں اور پھر مختلف عنوانات آپ خود بھی طبع آزمائی کی کوشش اور مشق کریں امید ہے اس طرح آپ ایک معیاری اور دلچسپ آپ بیتی لکھنے پر قادر ہو جائیں گے۔

☆☆☆

(۴) ایک شکستہ عمارت کی آپ بیتی

کاش آپ چشم تصور سے ڈیڑھ صدی پہلے کے مناظر دیکھ سکتے اور اگر زمانے میں ذرائع ابلاغ بہتر ہوتے، تو آج میں آپ کو منہ زبانی اپ بیتی سنانے کی بجائے وڈیو دکھاتی۔ آپ کی عقل دنگ رہ جاتی اور شاید آپ بھی اس زمانے کے ناظرین کی طرح میری شان و شوکت اور حسن و جمال دیکھ کر دانتوں میں انگلیاں دبا لیتے۔ گھر گھر اور جگہ جگہ میرے حسن کے چرچے کرتے۔ ابھی جہاں آپ پتھروں کے ڈھیر پہ کھڑے تھے۔ یہ کبھی میرا زنان خانہ ہوا کرتا تھا؛ یہاں آراستہ و پیراستہ کمرے تھے؛ دالان تھے۔ میرے کمروں میں قالین بچھے تھے، ریشمیں پردے سرسراتے؛ یہاں مسندوں پر بیگمات اور ان کی شہزادیاں زرق برق ملبوسات میں گاؤ تکیے لگا کر بیٹھا کرتیں؛ خوشبوئیں پھیل پھیل جاتیں اور خادماؤں کے جھرمٹ میں وہ روزانہ

آج سے ڈیڑھ صدی قبل جی ٹی روڈ سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر دریا کے کنارے میری بنیاد رکھی گئی۔ میری بناوٹ میں رواج کے مطابق کچھ سکے بھی دفن کیے گئے۔ اب جو تعمیر شروع ہوئی، تو مسلسل دو سال تک جاری رہی اور دور دور سے لائے گئے کاریگروں نے مجھے بنانے اور سنوارنے میں اپنی مہارت صرف کر دی اور پھر وہ دن آیا جب رنگ و روغن سے مجھے مزین کر دیا گیا۔ قالین بچھائے گئے؛ اعلیٰ درجے کا فرنیچر سیٹ کیا گیا؛ ایک بہت بڑی ضیافت کا اہتمام ہوا؛ اس زمانے میں بجلی نہیں تھی، لیکن روشنی کا ایسا اہتمام کیا گیا تھا کہ دن کا سماں پیدا ہو گیا۔ اس روز مجھے اپنے حسن پر خود ہی رشک آیا۔

میں نہ صرف تاریخ کا حصہ ہوں، بلکہ تاریخی واقعات کی چشم دید گواہ بھی ہوں۔ میں نے برِ عظیم میں قائم انگریز راج دیکھا۔ انہوں نے اپنا تسلط قائم رکھنے کے لئے جو جاگیرداری نظام قائم کیا تھا، میں نے اس کا عروج دیکھا۔ انسانوں کو انسان کے سامنے روتے بلکتے اور جھکتے دیکھا۔ پھر وہ دور آیا کہ ملک میں آزادی کی لہر اٹھی۔ ملک بھر میں قائداعظم، گاندھی اور نہرو کا نام گونجنے لگا۔ علامہ اقبال اور ظفر علی خان کی نظمیں آزادی کی تڑپ پیدا کرتیں اور جگہ جگہ جلسے جلوس ہونے لگے تھے۔ وقت گزرتا رہا اب میری حالت خستہ ہونے لگی؛ دریا کی سیلن میری دیواروں کو کمزور کر رہی تھی اور سیلاب نے تو میرے کئی حصوں کو تباہ کر ڈالا تھا۔

1976ء میں تین روز بارشوں نے اور پھر ایک زلزلے نے مجھے زمین بوس کر دیا۔ اب ایک آدھ کمرے کی آدھی چھت اور دو دیواریں باقی ہیں اور دیگر سب کچھ کھنڈر بن چکا ہے۔ زمانہ بدلتے دیر نہیں لگتی اور کمال کو زوال آ کر رہتا ہے۔ کل جن چھتوں سے فانوس لٹکتے تھے، وہ چھت زمین کا حصہ ہو چکی اور جو باقی ہے، وہاں فانوسوں کی جگہ چمگادڑیں لٹکتی ہیں۔ اب یہاں کبھی کبھار ڈاکو یا جرائم پیشہ لوگ کچھ وقت گزارتے ہیں؛ کبھی کوئی الو یا چیل آ بیٹھتی ہے؛ رات کو گیدڑوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔

کبھی کبھار آثار قدیمہ والے آ دھمکتے ہیں اور میری اینٹوں اور خاک کے نمونے لے جاتے ہیں؛ کبھی کبھی سیاحوں کی ٹولیاں آ جاتی ہیں اور فوٹو بنا کر مجھے میرا ماضی یاد دلاتی اور

کہوں کہ: دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔

شاید چند سال اور لگیں۔ دریا کا ایک ریلا اور آیا تو میرے آثار ڈھونڈنے سے نہ ملیں گے۔ سب اسی دریا کا حصہ ہو جائیں گے۔ یہ سیاح، مورخ اور آثار قدیمہ والے بہت دفعہ آئے اور میرے آثار کی کڑیاں: تہذیب کے مختلف ادوار سے جا ملائیں، حالانکہ میں تہذیب کا مدفن ہوں۔ لوگوں کیلئے میرا زوال باعث تفریح نہیں، بلکہ عبرت انگیز ہے کچھ روز ہوئے میرے پاس بیٹھ کر ایک شاعر نے بڑی خوبصورت بات کی:

اجڑا سا وہ نگر کہ ہڑپہ ہے جس کا نام
اس قریۂ شکستہ و شہر خراب سے
عبرت کی اک جھٹانک برآمد نہ ہو سکی
کلچر نکل پڑا ہے کھنڈر کے حساب سے

☆☆☆

(۵) گلاب کے پھول کی آپ بیتی

میں گلاب کا ایک پھول ہوں۔ مجھے پھولوں کا بادشاہ بھی کہتے ہیں۔ میں اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بن رہا، بلکہ میں نے خود اپنے کانوں سے لوگوں کو میری تعریف کرتے پایا ہے۔ ادب میرے تذکروں سے بھرا پڑا ہے۔ شاعروں نے خاص طور پر مجھے جس طرح خراج تحسین پیش کیا ہے۔ وہ قابل فخر ہے آخر بلبل مجھ پر ایسے تو نہیں مرمٹی۔ حکما اور علم نباتات کے ماہرین نے الگ سے میری تعریف و توصیف کی ہے۔ میں مسرتوں اور عقیدوں کے اظہار کا ذریعہ ہوں۔ دولھا کے سر کا سہرا مجھی سے سجتا ہے اور بزرگوں کے مزاروں پر میری ہی چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ جب سے ویلنٹائن ڈے منایا جانے لگا ہے، میں تحفہ بن کو دلی جذبات کا ترجمان بننے لگا ہوں۔ میں دنیا کے ہر ملک اور ہر خطے میں پایا جاتا ہوں۔ میری سیکڑوں قسمیں ہیں۔ میں حسین ہوں اور حسینوں کی پسند بھی۔ میں اپنی مختصر سی زندگی کی کہانی سناتا ہوں، جس کے کئی پہلو خوش کن ہیں اور کچھ عبرت انگیز بھی۔

موسم بہار کی ایک چمکیلی صبح کو میں نے ایک کالج کے چمن زار میں آنکھ کھولی اور سبز

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

پیڑوں سے مل کر ماحول کا جائزہ لیا۔ [illegible] ہم سب سے
وہ بلاشبہ مجھ سے زیادہ حسین تھے کہ پودے جو بن پر تھے۔ ہوا کے شریر جھونکے ہم سب سے
اٹھکیلیاں کرتے رہے۔ ایک جھونکا آیا اور مجھے گدگدایا اور میں خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ اتنے میں
لڑکیوں کا ایک غول آیا اور قریب کے چبوترے پر بیٹھ کر خوشگوار ماحول سے لطف اندوز ہونے
لگا۔ ایک لڑکی نے جو دوسری لڑکیوں میں زیادہ نمایاں تھی اسے یہ کہہ کر چھیڑا کہ تم بھی
خوبصورت بنتی ہو؟ مگر اس پھول کو دیکھ کہ کتنا حسین ہے؟ غزالہ نے شرما کر سر جھکا لیا اور میں
اس کی رنگت میں گلاب ہی کے رنگ دیکھ رہا تھا۔ میں حسن کے دونوں روپ آمنے سامنے دیکھتا
رہا، مسکراتا رہا۔ وہ تھوڑی دیر بعد کوئی پھول توڑے بغیر چل دیں۔

موسم خوشگوار تھا۔ ہوا میں خنکی تھی اور ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سورج کی
حیات بخش کرنیں ہم سے کھیلا کریں۔ رات کو شبنم غسل کراتی تو ہماری نرم و نازک پتیاں بھیگ
جاتیں۔ پھر کچھ بھونرے بھی آ موجود ہوتے، بلبلیں آتیں اور ہمیں گیت سناتیں اور ہماری بے
وفائی پر گلے شکوے بھی کرتیں؛ ارد گرد کی شاعرانہ باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر تھیں۔

دو دن تو خوب مزے سے گزرے۔ اچانک شمال سے تیز ہوائیں چلنے لگیں اور بادل
گہرے ہونے لگے؛ پھر بارش برسنے لگی۔ پورا باغ خوشبو سے مہک اٹھا۔ اب میں پورے
جوبن پر تھا اور میری پنکھڑیوں پر نکھار سا آ گیا تھا۔ اب تتلیوں اور بھونروں کا مرکز نگاہ میں ہی
تھا۔ میں بارش کے پانی میں اپنے آپ کو دیکھتا، تو میرا چہرہ اور گلاب ہو جاتا۔

وقت گزرتا رہا۔ تیسرے دن گھنٹی بجنے سے ذرا پہلے [illegible] چمن میں داخل ہوا۔ مالی نے
سب سے پہلے مجھی پر ہاتھ صاف کیا۔ اس نے بے دردی سے کچھ [illegible] پھول چنے اور ہم ساتھیوں
سے جدا کر دیے گئے۔ سارے حسن و غرور کے باوجود ہم بے بس ہو کر رہ گئے۔ مالی نے گلدستہ
بنا کر ایک خوبصورت سے گلدان میں سجا کر پرنسپل صاحب کی میز کی زینت بنا دیا۔ اب نہ
اٹھکیلیاں کرتی سورج کی کرنیں تھیں اور نہ گدگداتی ہوائیں اور نہ تتلیوں اور بھونروں کا ہجوم، ہم
شاخ سے ٹوٹے، زندگی سے بیزار پھول پژمردہ ہونے لگے اور خوف آنے لگا کہ ہماری رعنائی
اور مہک بس چند گھڑیوں کی مہمان ہے۔ یہ خیال ہمیں اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔

اب میں زندگی کے آخری سانس لے رہا ہوں۔ حسن کا یہ انجام اور دنیا میں ہر شے
کی یہ بے ثباتی بڑی عبرت انگیز ہے۔ میری اس داستان سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہر کمال
کا انجام زوال ہے۔

☆☆☆

میں ایک خستہ حال اور پھٹا پرانا جوتا ہوں۔ اس وقت میں ایک اندھیری کوٹھڑی میں پڑا ہوں۔ میری شکل بگڑ چکی ہے۔ میری چمک دمک ماند پڑ چکی ہے۔ اب مجھے کوئی دیکھنے کا بھی روادار نہیں۔ لیکن میں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ کبھی میں ایک شاندار اور نہایت قیمتی جوتا تھا۔ ٹھہریئے میں آپ کو اپنی داستان حیات سناتا ہوں۔

یہ سردیوں کی ایک چمکیلی صبح کا ذکر ہے۔ ایک جوتا ساز کارخانے کے مالک سیٹھ نے مجھے لیدر مارکیٹ سے چمڑے کی صورت میں خریدا۔ یہ چمڑا ایک خوش رنگ بیل کی قربانی کی کھال سے تیار کیا گیا تھا۔ مجھے بے شمار دوسری کھالوں کے ساتھ ایک ٹرک میں لاد کر کارخانے پہنچا دیا گیا۔ وہاں ہماری چھانٹی کی گئی۔ پھر ہمیں مختلف مشینوں میں گزارا گیا۔ اس مرحلے پر درد سے ہماری چیخیں نکلتی رہیں۔ لیکن کسی کاریگر کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ہمیں بالکل ہموار اور نرم بنا دیا گیا۔ اس کے بعد تیز دھار مشینوں سے ہمیں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ دیا گیا یہ مرحلہ بھی مجھ پر بہت بھاری گزرا۔ اب ایک بار پھر میرے مختلف ٹکڑوں کو عجیب قسم کی مشینوں میں سے گزارا گیا۔ مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد میں نے ایک خوبصورت، چمکدار سیاہ جوتے کی شکل اختیار کر لی۔ میں خود حیران ہوا کہ انسان نے اپنی ہنرمندی سے مجھے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے اردگرد میری ہی طرح کے ہمکار۔ سیاہ جوتوں کا ڈھیر لگ گیا۔ اس کے بعد کچھ لڑکے آئے اور ہمیں خوبصورت ڈبوں میں بند کرنے لگے۔ شام تک بڑے سے گودام میں ترتیب سے رکھے ہوئے ڈبوں کے ڈھیر نظر آنے لگے۔

پھر ایک دن ایک اور سیٹھ آیا۔ اس نے بھاؤ تاؤ کیا اور بہت سے ڈبوں کو خرید لیا۔ ہمیں ایک پک اپ میں لاد کر ایک پر رونق بازار کی ایک بہت بڑی دوکان میں لایا گیا۔ یہاں ڈبوں میں بند بہت سے جوتوں کو ایک سٹور میں رکھ دیا گیا جبکہ چند ایک جوتوں کو ایک خوبصورت شوکیس میں سجا دیا گیا۔ میں بھی انہی میں سے ایک تھا۔ شوکیس میں موجود دوسرے جوتوں کے ساتھ بڑا اچھا وقت گزرنے لگا۔ لوگ آتے، میری بناوٹ اور چمک دمک دیکھ کر متاثر ہوتے لیکن قیمت پوچھتے تو منہ لٹکا کر چل دیتے۔ اصل میں دکاندار میری قیمت اپنی گاہک سے بہت زیادہ مانگتا تھا۔ پھر ایک دن ایک امیر کبیر آدمی دکان پر آیا۔ اس نے مجھے

زینت تھا۔ اس نے مجھے بڑے ٹھاٹھ سے رکھا۔ ہر روز صبح کو مجھے پالش سے چمکایا جاتا۔ وہ مجھے پہن کر سنگ مرمر کے فرش پر چلتا۔ لان میں چہل قدمی کرتا۔ یہ میری زندگی کے نہایت خوبصورت دن تھے۔ اس شخص کے پاس بہت سے اور جوتے بھی تھے۔ کچھ دن گزرے اب میری چمک دمک ماند پڑنے لگی۔ اس کا نوکر مجھے پالش سے چمکاتا لیکن میرا رنگ روپ پہلے کی طرح نکھر نہ پاتا۔ پھر ایک دن وہ امیر شخص ایک نیا جوتا لے آیا۔ اور مجھے اپنے نوکر کے حوالے کر دیا۔ اس نوکر نے میرا برا حال کر دیا۔ مجھے بے دردی سے استعمال کرتا اور کبھی پاؤں گھسیٹ گھسیٹ کر چلتا۔ آہستہ آہستہ میری شکل بگڑنے لگی۔ میرے بخیئے ادھڑنے لگے۔ پھر اس شام مجھے بہت دکھ ہوا جب اس نوکر نے مجھے اس سٹور کے ایک کونے میں پھینک دیا۔ کیونکہ اس کے مالک نے اسے کافی اچھی حالت کا ایک اور جوتا دے دیا تھا۔ میں سوچتا ہوں انسان کتنا بے وفا ہے؟ اب یہ اندھیرا کونا ہے۔ [illegible] ہوں۔ ماضی کی کچھ خوشگوار یادوں کے سوا میرے پاس اور کچھ نہیں۔ اب میں سمجھ پایا ہوں کہ اس دنیا میں ہر کمال کو زوال ہے۔

☆☆☆

(۷) ایک پرانے کوٹ کی آپ بیتی

میں ایک پھٹا پرانا کوٹ ہوں اس وقت میں ایک مزدور کا بدن ڈھانپے ہوئے ہوں۔ کئی جگہ سے میرا رنگ اڑ چکا ہے۔ ایک دو جگہ سے پھٹ چکا ہوں۔ ایک جیب مسک کر کچھ باہر کو لٹک گئی ہے۔ لیکن میں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔ میری یہ حالت مدت و سال کے استعمال کے بعد ہوئی ہے۔ آیئے میں آپ کو اپنی داستان حیات سناتا ہوں۔

پہلے پہل میرا کپڑا ایک مل میں نفیس اون کے دھاگے سے تیار ہوا۔ پھر مجھے تھانوں کی شکل میں لپیٹ کر اور ٹرکوں میں لاد کر کلاتھ مارکیٹ کی مختلف دکانوں میں پہنچا دیا گیا۔ ایک گورے چٹے دکاندار نے ان تھانوں کو اپنی دکان کی شیلفوں میں قرینے سے سجا دیا۔

یہ موسم سرما کے آغاز کے دن تھے۔ جب ایک روز ایک نوبیاہتا جوڑا اس دکان پر آیا۔ بیگم نے میرے کپڑے کو اپنے میاں کے ساتھ لگا کر میچ کیا اور پسند کر لیا۔ اس کے بعد دکاندار کے ساتھ مول تول ہوا اور مجھے خرید کر وہ ایک درزی کے پاس لے گئے۔ درزی نے

پہلے نوجوان کا ناپ لیا اور پھر میرے کپڑے کی پیاس کی۔ درزی و میرے [illegible]
نوجوان نے کم اور اس کی بیوی نے کچھ زیادہ ہدایات دیں۔

اگلی صبح درزی نے میرے کپڑے پر مختلف پیمائشوں اور زاویوں کے نشانات لگائے اور ان کے مطابق کاٹ کر کئی چھوٹے بڑے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ایسا کرتے ہوئے درد سے میری چیخیں نکل گئیں لیکن درزی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ درزی کے شاگردوں نے اگلے دو دن میں مجھے سی کر کپڑے سے نہایت نفیس اور شاندار کوٹ میں تبدیل کر دیا۔ اسی شام وہ جوڑا مجھے درزی سے لینے آ گیا۔ نوجوان نے مجھے پہن کر دیکھا تو اسکی بیوی کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا۔ نوجوان کی گوری رنگت پر میرا کالا رنگ واقعی بہت بھلا لگ رہا تھا۔ اگلے کئی ماہ تک مجھے خوب پہنا گیا۔ نوجوان مجھے پہن کر کئی دعوتوں اور پارٹیوں میں شامل ہوا۔

وہ اکثر مجھے پہن کر اپنے دفتر بھی جاتا۔ اس کے دوست اکثر میری تعریف کرتے۔ میری حفاظت بھی خوب ہوئی۔ یہ میری زندگی کے خوبصورت ترین دن تھے۔ پھر موسم بدلا۔ موسم سرما ختم ہوا۔ بیگم نے مجھے حفاظت کے ساتھ دوسرے کئی کپڑوں کے ساتھ ایک بکس میں بند کر دیا۔ میں کئی ماہ تک وہیں بند پڑا رہا۔ ایک دن نہ جانے کدھر سے ایک چھینگر بکس میں گھس آیا۔ اس نے کئی کپڑوں کا ناس مار دیا۔ اور میرے جسم پر بھی ایک دو جگہ سوراخ کر دیئے۔

اگلے موسم سرما کے آغاز میں ایک دن بیگم نے مجھے نکال کر دیکھا۔ تو اس کی چیخ نکل گئی۔ اگلے دن میاں نے مجھے اپنے نوکر کے حوالے کر دیا۔ نوکر نے مجھے خوب استعمال کیا حتیٰ کہ سوتے ہوئے بھی مجھے پہن کر سوتا۔ چھوٹی موٹی جو چیز بھی رکھنے کو کہیں جگہ نہ ملتی وہ میری جیبوں میں ٹھونس دیتا۔ آہستہ آہستہ میرا رنگ و روپ بدلنے لگا۔ ایک شام کمال مہربانی کرتے ہوئے اس نوکر نے مجھے قریب ہی کام کرتے ہوئے ایک غریب مزدور کو بخش دیا۔ اور دعائیں سمیٹ لیں۔ اس مزدور نے تو میرا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ میرا کوئی حصہ سلامت نہیں رہنے دیا۔ اب تقریباً میں بے کار ہو چکا ہوں۔ لیکن لگتا ہے۔ مزدور کہیں سے کوئی اور کوٹ کے ملنے تک میری جان نہیں چھوڑے گا۔

☆☆☆

مضمون نگاری

(1) مضمون کیا ہے؟

مضمون علم و ادب کی ایک اہم صنف ہے جس میں مضمون نگار مختلف موضوعات پر اپنے افکار و خیالات اور معلومات قارئین تک پہنچاتا ہے۔ ان موضوعات کا تعلق زندگی کے حقائق اور مسائل سے ہوتا ہے اور ایک مؤثر مضمون کے لئے ضروری ہے کہ مضمون نگار کا اسلوب دلکش، زوردار، شگفتہ ہو اور مضمون پُر مغز ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ مضمون میں خیالات کو ایک خاص ترتیب اور سلیقے سے پیش کیا جائے اور مضمون نگار قوت اظہار و بیان رکھتا ہو۔ محض معلومات کا بیان کر دینا مضمون نہیں کہلاتا، بلکہ اپنے خیالات کا دلکش پیرائے میں اظہار ہی مضمون نگاری ہے۔

(2) مضمون کے حصے

ہر مضمون تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

(1) تمہید / آغاز۔ مضمون کے اس حصے میں موضوع کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ یہ حصہ مختصر اور دلکش ہونا چاہیے۔ اگر مضمون ذرا طویل ہو، تو ابتدائیہ دو یا تین پیراگراف پر مشتمل ہو سکتا ہے۔

(2) نفس مضمون۔ اس حصے میں مضمون نگار اپنے افکار و خیالات کا مربوط انداز میں اظہار کرتا ہے۔ یہ حصہ قدرے طویل ہوتا ہے۔ مضمون کی عمدگی کا انحصار اسی حصے پر ہے۔

(3) اختتام / انجام۔ چند اختتامی جملوں سے مضمون ختم کیا جاتا ہے۔ یہ دراصل مضمون کا ماحصل اور نچوڑ ہوتا ہے۔ دلکش انداز میں خاتمہ تادیر قاری کے ذہن پر اثر قائم رکھتا ہے۔

(3) ایک اچھے مضمون کی خوبیاں

(1) اچھا مضمون دلچسپ اور دلکش ہوتا ہے۔

(2) اس کی زبان سادہ و سلیس ہوتی ہے۔

(3) ترتیب اور تسلسل اس کی اہم خوبی ہوتی ہے۔

(4) جامعیت اور اختصار مضمون کی جان ہوتی ہے۔

اعتدال و توازن مضمون کو چار چاند لگا دیتی ہے۔

☆☆☆

(۱) میرا پسندیدہ شاعر

اچھا اور پر تاثیر شعر کسے پسند نہیں ہے مجھے بھی شاعری سے فطری لگاؤ ہے اور اردو کے تقریباً تمام نامور شعراء کا کلام میرے زیر مطالعہ رہتا ہے۔ میری ڈائری میں مختلف شعراء کے سینکڑوں اشعار موجود ہیں۔ لیکن جس شاعر نے میرے ذہن و شعور پر سب سے زیادہ اثر کیا ہے وہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال ہیں۔ اقبال کے شعروں میں ایک بلند مرتبہ حکیمانہ دانش موجود ہے جس پر جتنا غور کیا جائے اس کا کیفوس اتنا ہی وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا ہے۔

علامہ اقبال 9 نومبر 1877ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد شیخ نور محمد ایک متقی اور پاکباز شخص تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہوئی۔ یہاں سید میر حسن جیسے عظیم استاد کے فیضان نظر نے آپ میں علم کی سچی لگن پیدا کی۔ بعد ازاں گورنمنٹ کالج لاہور سے بی۔ اے اور ایم۔ اے فلسفہ کے امتحانات پاس کئے۔ کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج لاہور میں تدریسی فرائض بھی انجام دیئے۔ 1905ء میں مزید اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ تشریف لے گئے۔ اور انگلستان سے بار ایٹ لا اور جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ 1908ء میں آپ واپس وطن تشریف لائے اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ 21 اپریل 1938ء کو آپ کا لاہور میں انتقال ہوا اور بادشاہی مسجد لاہور کے پہلو میں آپ کو دفن کیا گیا۔

علامہ اقبال کی شاعری مجھے اس لئے پسند ہے۔ کیونکہ وہ بلند تر نصب العین کے شاعر ہیں۔ انہوں نے روایتی انداز میں حسن و عشق اور گل و بلبل کے نغمے الاپنے کی بجائے انسان کے سامنے ایک بلند تر نصب العین پیش کیا ہے۔

وہ ذرۂ خاک کو شعور ذات دے کر ہم دوش ثریا کر دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ انسان ہمیشہ خاک نشین نہ رہے۔ بلکہ خود کو پہچانے اور خودی اور خود آگاہی کے نور سے خیمہ افلاک کی طرف محو پرواز ہو۔ ان کی خواہش ہے کہ مسلمان اسوۂ رسول ﷺ پر کاربند ہو کر قرب الٰہی حاصل کرے اور زمین و زمان کی حدوں سے نکل کر عرش الٰہی کے پاس اپنا نشیمن بنائے۔

ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشاں

اقبال کی شاعری واقعی عظیم شاعری ہے۔ یہ الفاظ و معانی کا ایک سیلاب نور ہے جو قاری کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ آپ کلام اقبال کو پڑھیں اور آپ کا ذہن و شعور اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ جائے۔ بعض بعض مقامات پر تو یہ ملکوتی کلام اور پیغام نظر آتا ہے۔

علامہ اقبال کی شاعری میں ایک اور بات قابل توجہ ہے۔ اگرچہ علامہ اقبال مصلح قوم ہیں اور ان کے کلام میں ایک پیغام موجود ہے۔ لیکن ان کی شاعری ایک خشک اور بے کیف نصیحت بن کر نہیں رہ گئی۔ بلکہ ان کے ہاں شاعری کے تمام لوازمات نہایت خوبصورتی اور شاعرانہ نفاست کے ساتھ موجود ہیں۔ ان کا کلام اردو ادب کا بہترین نمونہ ہے۔ جس نے نہ صرف شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ بخشا بلکہ اردو ادب کو خوبصورت تشبیہات اچھوتے استعاروں اور لفظوں کے نئے معنی و مفہوم سے آشنا کیا۔

علامہ اقبال نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ ان کی شعری تصنیفات میں بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، پیام مشرق، زبور عجم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اقبال مشرق و مغرب سے مخاطب ہیں۔ ان کے تخیل میں بلندی اور جذبات میں طوفانوں کی سی شدت ہے۔ شمع و شاعر، خضر راہ، مسجد قرطبہ اور شکوہ، جواب شکوہ جیسی ان کی نظمیں پرزور اور شیریں الفاظ و تراکیب اور تلاطم خیز جذبات کے بے مثال نمونے ہیں۔ جنہوں نے لاکھوں اور کروڑوں دلوں کو متاثر کیا ہے۔

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاک بخارا و سمرقند

اقبال اس لئے بھی میرے پسندیدہ شاعر ہیں۔ کہ ان کے سب سے زیادہ مخاطب نوجوان ہیں۔ نوجوان ہی ان کی امیدوں کا مرکز تھے۔ وہ درست طور پر خیال کرتے تھے۔ کہ نوجوان ہی ان کے انقلابی افکار کو عملی جامہ پہنا سکتے ہیں۔ اور زمانے میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

قوم کے نوجوانوں کے لئے ان کی دعا ہے۔

جوانوں کو سورج بنا دیں

علامہ اقبال کا کلام ایک آفاقی کلام ہے۔ اسکی شہرت ملکوں اور براعظموں کی حدوں سے بے نیاز ہے۔ اقبال کی شاعری کے دیوانے دنیا کے ہر خطے میں موجود ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ علامہ اقبال ملت اسلامیہ کا قابل فخر سرمایہ ہیں۔ لاریب ان کے حیات آفریں کلام کو پڑھ کر میرے روح جھوم اٹھتی ہے۔

☆☆☆

(۲) معاشرہ میں خواتین کا کردار

علامہ اقبال نے فرمایا تھا۔ وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ بلاشبہ تصویر کائنات عورت کے وجود کی مرہون منت ہے۔ عورت کا وجود انسانیت کے لئے باعث رحمت و سعادت ہے۔ عورت چاہے ماں ہو یا بیٹی، بہن ہو یا بیوی ہو۔ عورت کا ہر روپ عظیم اور واجب احترام ہے۔ عورت اگر ایک اچھی ماں ہے تو آنے والی نسل کی تعلیم و تربیت اچھے خطوط پر کر سکتی ہے۔ اس طرح ایک اچھی قوم وجود میں آ سکتی ہے۔ اسی لئے نپولین نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''تم مجھے اچھی مائیں دو، میں تمہیں ایک اچھی قوم دوں گا'' تہذیب و تمدن میں جو بھی ترقی ہوئی ہے۔ اسکے پیچھے عورت کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

زندگی کی کارگاہ میں مرد و عورت ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہیں۔ اگرچہ دونوں کا دائرہ کار ایک دوسرے سے الگ الگ ہے۔ مگر عمل میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو ساخت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف بنایا ہے۔ اسی طرح دونوں کے فرائض منصبی بھی کئی اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ گھر کو عورت کی سلطنت قرار دے کر بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی عظیم ذمہ داری عورت کے سپرد کی ہے۔ ماں کی گود بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔ تاریخ میں جتنی بھی نامور ہستیاں گزری ہیں۔ ان کی عظمت کے پیچھے ان کی عظیم ماؤں کے کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تعلیمی پسماندگی کی وجہ سے ماضی میں ہمارے ہاں عورت کو نظر انداز کیا گیا۔ اس کی صلاحیتوں سے کما حقہ، فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔ اور اسے اس کے جائز حقوق سے محروم رکھا گیا۔ آج کی عورت زندگی کے مختلف شعبوں میں بھرپور طور پر سرگرم عمل ہے۔ خصوصاً تعلیم اور طب

کی فطری محبت و شفقت، صبر و استقلال اور ایثار نے حیران کن نتائج مرتب کئے ہیں۔

اسلام میں مرد کو گھر میں محافظ اور نگران کی حیثیت حاصل ہے۔ تاکہ وہ خاندان میں نظم و ضبط قائم رکھ سکے۔ دوسری طرف عورت کا اہم ترین فریضہ اپنے گھر کی چھوٹی سی سلطنت کو چلانا اور خاوند اور بچوں کا خیال رکھنا ہے۔ مرد اور عورت کے فرائض کی یہ ایک حکیمانہ تقسیم ہے۔ اگر یہ دونوں اپنے اپنے دائرہ کار میں اپنے اپنے فرائض کو بطریق احسن بجالائیں تو گھر اور معاشرہ دونوں جنت کا نمونہ بن جائیں۔

(۶)

اسی لئے رسول خدا نے فرمایا:

"دنیا کی سب سے بڑی نعمت نیک اور صالح بیوی ہے اور عورت کا جہاد اس کا شوہر کے ساتھ اچھا رہتا ہے۔"

بے شک نیک عورت خدا کی رحمت ہے۔ جس سے سارا گھر برکت اور رحمت سے بھر جاتا ہے۔ اور اس کی اس خوبی کا اثر پورے معاشرے پر پڑتا ہے۔ مذہبی، قانونی اور اخلاقی اعتبار سے مرد اور عورت برابر اور ہم مرتبہ ہیں۔ خدا نے دونوں کو برابر کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ایک طرح سے عورت کی ذمہ داری مرد سے بھی زیادہ کٹھن اور زیادہ نازک ہے۔ بچوں کی پرورش کرنا، ان کی اخلاقی تعلیم و تربیت کرنا اور ان کو مہذب و شائستہ انسان بنانا عورت ہی کی ذمہ داری ہے۔ اس کے لئے بے پناہ صبر و استقلال، شفقت و محبت، اور ایثار و قربانی درکار ہے۔ اچھی ماؤں کے زیر سایہ پرورش پانے والے بچے ہمیشہ اچھے اور کامیاب انسان بنتے ہیں۔ اس کے برعکس جو بچے ماں کی محبت یا تربیت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ وہ عام طور پر لطیف انسانی جذبات اور انسانی ہمدردی سے عاری ہوتے ہیں۔ اور بالآخر معاشرے کے لئے باعث آزار بنتے ہیں۔

کسی بھی معاشرے کی تعمیر میں دوسرے بہت سے عوامل کے ساتھ عورت کا کردار بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ معاشرے میں صحت مند انسانی تعلقات کے بنانے اور بگاڑنے میں عورت کا کردار بہت ہی اہم ہے۔ پس عورت پر لازم ہے کہ وہ بحیثیت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی اپنے وجود کی نزاکتوں کو سمجھے اور پاکیزہ انسانی تعلقات کی امین ہو ایک صحت مند اور پرامن معاشرے کی تعمیر کے لئے عورت پر لازم ہے کہ وہ صابر و شاکر، پردہ پوشی کرنے والی اور عاجزی

جب ضرورت آن پڑے تو عورت گھر سے باہر نکل کر بھی مختلف معاملات سرانجام دے سکتی ہے۔ عورت ملک و قوم اور معاشرے کی تعمیر و ترقی میں بھرپور کردار ادا کرنے کی مجاز ہے۔ وہ کاروبار اور ملازمت بھی کر سکتی ہے۔ لیکن اس پر واجب ہے کہ اپنی نازک حیثیت کا خیال رکھے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی عزت و حرمت پر حرف آئے۔ عورت قناعت، سادگی اور کفایت شعاری سے خاندان اور معاشرے کے بہت سے مسائل حل کر سکتی ہے۔

آج ہمارے ملک کا سب سے بڑا مسئلہ ناخواندگی ہے دیگر تمام مسائل اسی سے پھوٹتے ہیں۔ اس سلسلے میں تعلیم یافتہ خواتین اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ اس میدان میں آگے بڑھیں اور ایک تعلیمی انقلاب برپا کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔ فلاح انسانیت اور معاشرتی ترقی کے لئے یہ کردار نہایت ضروری ہے۔ اور عورتیں اس میدان میں مردوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتی ہیں اور کر رہی ہیں۔

☆☆☆

(۳) فاصلاتی نظام تعلیم

فاصلاتی تعلیم ایک جدید تصور ہے۔ اس کا مقصد ان لوگوں کو تعلیم دینا ہے۔ جو باقاعدگی کے ساتھ کمرہ جماعت یا تعلیمی ادارے میں نہیں جا سکتے۔ ہزاروں بلکہ لاکھوں مرد و خواتین ایسے ہو سکتے ہیں۔ جو اپنے کام میں مصروفیت کی وجہ سے باقاعدہ تعلیمی اداروں میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔ ایسے افراد کے لئے فاصلاتی نظام تعلیم بہترین مواقع پیش کرتا ہے کہ وہ اپنے روزمرہ کے کام کے ساتھ ساتھ حصول تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھیں۔ آج کے جدید ذرائع ابلاغ نے فاصلاتی تعلیم کو اور بھی آسان اور کم خرچ اور قابل حصول بنا دیا ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں ایسے منظم تعلیمی و تدریسی ادارے وجود میں آ چکے ہیں جو خط و کتاب، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور انٹرنیٹ کے ذریعے تعلیمی سہولیات طلباء کو مہیا کرتے ہیں۔ پاکستان میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی فاصلاتی تعلیم کے فروغ میں قابل قدر خدمات سرانجام دے رہی ہے۔ اس وقت اس یونیورسٹی کا شمار فاصلاتی تعلیم مہیا کرنے والی دنیا کی دس بڑی یونیورسٹیوں

میں ہوتا ہے۔ یونیورسٹی میں داخلہ لینے والے طلباء کی تعداد اب لاکھوں میں ہے۔ اس کے پروگراموں کی تعداد 136 اور مضامین کی تعداد 690 سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس یونیورسٹی کی خاص بات یہ ہے کہ اس کا دائرہ کار پورے پاکستان اور آزاد کشمیر تک پھیلا ہوا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ فاصلاتی نظام تعلیم، غیر رسمی تعلیم کا ایک بالکل نیا تصور ہے۔ اس طریقہ تعلیم میں استاد اور طالب علم ایک دوسرے سے دور ہوتے ہیں۔ تدریسی اسباق طلباء کو بذریعہ ڈاک ارسال کئے جاتے ہیں۔ تعلیمی مواد کو چھوٹے چھوٹے یونٹوں یا اسباق میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ یہ تعلیمی مواد آسان اور قابل فہم زبان میں تحریر کیا جاتا ہے۔ طلباء کی رہنمائی کیلئے خود آزمائی کی مشقیں بھی دی جاتی ہیں۔ اور اس بات کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ کہ طالب علم کسی بیرونی امداد کے بغیر از خود کورس کا مطالعہ کر سکے اور اسے آسانی سے سمجھ سکے۔ طلباء کی مزید تعلیمی رہنمائی کی غرض سے تعلیمی مواد پر مشتمل ریڈیو اور ٹی۔ وی پروگرام بھی نشر کئے جاتے ہیں۔ تاکہ طلباء اپنے تعلیمی اسباق کو زیادہ بہتر طور پر سمجھ سکیں۔ اس کے علاوہ باقاعدہ وقفوں کے ساتھ مرکزی مقامات پر ٹیوٹوریل کا انتظام بھی ہوتا ہے۔ تاکہ کسی مشکل کی صورت میں طلباء اپنے ٹیوٹر سے رابطہ کر سکیں۔

فاصلاتی نظام تعلیم میں بھی رسمی نظام تعلیم کی طرح پڑھنے کے لئے کتابیں ہوتی ہیں۔ ہر سمیسٹر کے اختتام پر ایک امتحان ہوتا ہے اور پاس ہونے والے ہر ایک طالب علم کو باقاعدہ ڈگری جاری کی جاتی ہے۔ پاکستان میں فاصلاتی نظام تعلیم نے رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا ایک مقام پیدا کر لیا ہے۔ اب لاکھوں طالب علم فاصلاتی نظام تعلیم کے ذریعے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ یا اپنی تعلیمی قابلیت کو بہتر بنا رہے ہیں۔ بلاشبہ پاکستان میں فروغ تعلیم میں فاصلاتی نظام تعلیم کا کردار بہت زیادہ موثر اور نہایت اہم ہے۔

☆☆☆

(۴) قومی زبان کی اہمیت۔ یا اردو ہماری قومی زبان

اردو ہماری قومی زبان ہے۔ پاکستان کے مختلف علاقوں میں کئی دوسری علاقائی زبانیں بھی بولی جاتی ہیں۔ لیکن پاکستان کے تمام صوبوں کے درمیان رابطے کی زبان اردو ہے۔ اردو پاکستان کے تقریباً تمام علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اسی لئے اردو کو قومی

زبان کا مرتبہ حاصل ہے۔ بابائے قوم حضرت قائداعظم نے 21۔ مارچ 1948ء کو ڈھاکہ کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا "ایک مشترکہ سرکاری زبان کے بغیر کوئی قوم باہم متحد نہیں رہ سکتی اور نہ کوئی کام کر سکتی ہے۔ جہاں تک پاکستان کی سرکاری زبان کا تعلق ہے تو یہ اردو ہی ہوگی۔"

اردو زبان دنیا کی دوسری بڑی زبان ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے کروڑوں لوگوں کے علاوہ بنگلہ دیش، مشرق وسطیٰ اور دنیا کے دیگر ممالک میں بھی لاکھوں لوگ اردو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ کسی بھی ملک کی قومی زبان اس ملک کی تہذیب و ثقافت اور قومی روایات کی ترجمان ہوتی ہے۔ زبان کسی قوم کے مزاج اور اقدار و روایات کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اردو برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی صدیوں کی ملی روایات اور وسیع علمی و ادبی سرمائے سے مالا مال ہے۔ اب اردو ایک ترقی یافتہ زبان ہے۔ اور اس کے علمی و ادبی سرمایے کو دنیا کی کسی بھی ترقی یافتہ زبان کے برابر رکھا جاسکتا ہے۔

پاکستان میں اردو زبان کے مستقبل کا انحصار کئی ایک عوامل پر ہے۔ مثلاً قائداعظم کے اس واضح اعلان کے باوجود کہ اردو پاکستان کی قومی زبان ہوگی قیام پاکستان کے بعد سے اردو زبان کو کئی مخالفتوں کا سامنا رہا ہے۔ اردو زبان کی ترقی اور بطور سرکاری اور دفتری زبان اس کے نفاذ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ انگریزی پرست طبقہ ہے۔ یہ طبقہ اقلیت میں ہونے کے باوجود بیوروکریسی اور مقتدر اختیار کے بل بوتے پر اردو کو اس کا جائزہ مقام و مرتبہ دینے پر تیار نہیں۔ اور اردو کو حقیقی معنوں میں قومی اور سرکاری زبان بننے کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالتا رہا ہے۔ یہ طبقہ اپنے آپ کو غیر ملکی حکمرانوں کا جانشین ثابت کرنے کے لئے انگریزی کی برتری قائم رکھنا چاہتا ہے۔

پاکستان میں اردو کے مستقبل کا انحصار اس بات پر ہے کہ انگریزی پرست طبقے کی بالادستی کو ختم کیا جائے اور حکومت کے اعلیٰ عہدے صرف اور صرف شفاف مقابلے کے امتحان سے پُر کئے جائیں۔ جس میں ذریعہ امتحان مکمل طور پر اردو ہو اس طرح امید کی جاسکتی ہے۔ کہ تھوڑے ہی عرصے میں نچلے طبقات میں سے باصلاحیت نوجوان قومی زندگی کے اعلیٰ مناصب تک پہنچ کر ملک کی زمام کار ایک محدود انگریزی پرست طبقے سے چھین لیں گے۔ اور ملک کو قومی امنگوں کے مطابق سربلندی و سرفرازی کے راستے پر گامزن کر سکیں گے۔

اردو زبان کے بعض اندرونی دشمن پاکستان کی دیگر علاقائی زبانوں کو اکثر اردو کے بالمقابل لا کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اردو زبان اپنے اندر اثر

پذیری کی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہے۔ اس نے علاقائی زبانوں سے صدہا الفاظ اپنے اندر جذب کئے ہیں اور اپنے ہزارہا الفاظ ان زبانوں کو دے کر ان کا دامن بھی وسیع کیا ہے۔

اردو زبان کی ترقی کے لئے ملک میں بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں۔ جن میں مقتدرہ قومی زبان، انجمن ترقی اردو، اردو سائنس بورڈ، اور مختلف یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے تصنیف و تالیف وغیرہ شامل ہیں۔ ہندوستان میں بھی اردو پر کام ہو رہا ہے۔ ان کی ساری فلمیں اور ڈرامے اردو میں بنتے ہیں کیونکہ یہ واحد زبان ہے جو پورے ہندوستان میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

1973ء کے آئین میں یہ طے کر دیا گیا تھا کہ 14۔ اگست 1988ء سے پاکستان کے تمام سرکاری شعبوں میں اردو زبان کا نفاذ پوری طرح عمل میں آ جائے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس آئینی ضرورت کو پورا کیا جائے۔ اور اردو کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات اٹھائے جائیں۔ پاکستان کی ترقی اردو زبان کے نفاذ سے وابستہ ہے۔ کیونکہ انگریزی پرست طبقہ نے پاکستان کو سوائے ناکامیوں اور نامرادیوں کے کچھ نہیں دیا۔

☆☆☆

(۵) میری پسندیدہ کتاب

اپنی درسی کتب کے علاوہ بھی مجھے کتابیں پڑھنے کا شوق ہے۔ بہت سی اچھی اچھی کتابیں میری ذاتی لائبریری کی زینت ہیں۔ میں اپنا فارغ وقت بے کار کاموں میں ضائع کرنے کی بجائے اچھی اچھی کتابیں پڑھنے میں صرف کرتا ہوں۔ اس سے میری معلومات کے ذخیرے میں اضافہ ہوا ہے۔ اور ذہنی افق وسیع ہوا ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔

ہم نشینی اگر کتاب سے ہو
اس سے بہتر کوئی رفیق نہیں

کتابوں میں بلاشبہ قرآن حکیم ایک عظیم کتاب ہے۔ یہ فصیح و بلیغ کتاب علم و حکمت کا خزانہ ہے۔ میں صبح سویرے اس کی تلاوت کرتا ہوں اور ترجمہ اور تفسیر کی مدد سے اس کے احکامات اور ہدایات کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔

قرآن حکیم کے بعد اردو کتابوں میں ''بانگ درا'' میری سب سے پسندیدہ کتاب ہے۔ یہ عظیم کتاب علامہ اقبال کی تصنیف ہے۔ بانگ درا سے میرا پہلا تعارف ان کی ایک خوبصورت نظم ''ایک بچے کی دعا'' سے بچپن میں ہی ہو چکا تھا۔ ہر روز اسکول میں صبح کی اسمبلی

سوز و گداز اور دعائیہ لے مجھ پر ایک عجیب اثر طاری کر دیتی۔ بعد میں جب بہت سی کتابیں زیر مطالعہ آئیں تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ نظم شاعر مشرق علامہ اقبال کی لکھی ہوئی ہے۔ اور ان کی کتاب بانگ درا میں شامل ہے۔ اس طرح سکول میں پڑھی جانے والی یہ نظم مجھے بانگ درا تک لے گئی۔ اور جب علامہ کی یہ کتاب زیر مطالعہ آئی تو پتہ چلا کہ اس دعا کا سوز و گداز علامہ کے پورے کلام میں موجود ہے۔ شروع میں بانگ درا کے اکثر اشعار میری سمجھ سے بالاتر تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ جب علم کا افق وسیع ہوا۔ اور علامہ اقبال کے اشعار کی تفہیم حاصل ہوئی۔ تو اس کتاب نے میرے ذہن و شعور کو وسیع طور پر متاثر کیا۔ اب مجھے بانگ درا کے سینکڑوں اشعار یاد ہیں۔ بانگ درا علامہ اقبال کا پہلا مجموعہ کلام ہے۔

اس کے تین حصے ہیں۔ اس کے پہلے حصے میں ابتدا سے لیکر 1905ء تک کا کلام شامل ہے۔ دوسرے حصے میں 1905ء سے 1908ء تک اور تیسرے حصے میں 1924ء تک کا کلام ہے۔ پہلے حصے کی نظموں میں ایک آرزو، تصویر درد اور جنگو وغیرہ جیسی اہم نظمیں شامل ہیں۔ دوسرے حصے میں علامہ اقبال نے قیام یورپ کے دوران کا کلام شامل ہے۔ جبکہ تیسرے حصے میں اقبال کا فن اپنے عروج پر نظر آتا ہے۔ اس حصے میں شکوہ، جواب شکوہ، شمع اور شاعر، خضر راہ اور طلوع اسلام جیسی شہرہ آفاق نظمیں شامل ہیں۔

بانگ درا فنی اعتبار سے ایک بلند پایہ تصنیف ہے۔ اس میں حسن بیان اور رفعت خیال کے اعتبار سے شاہکار نظمیں موجود ہیں۔ بانگ درا میں بچوں کے لئے بھی بہت سی خوبصورت نظمیں موجود ہیں۔ بانگ درا واقعی ایک مایوس اور ناامید قوم کے لئے بانگ درا ثابت ہوئی۔ اس کے شعروں نے امت مرحوم میں ایک ولولہ تازہ پیدا کیا۔ اور قوم نے قائداعظم محمد علی جناح کی رہنمائی میں اپنی منزل مراد پالی۔ یوں تو بانگ درا کا ہر شعر بہت فکر انگیز ہے۔ تاہم چند اشعار بطور نمونہ درج ہیں۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اگر عثمانیوں پہ کوہ غم ٹوٹا تو کیا غم ہے
کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا
قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کردیں

☆☆☆

(۶) کمپیوٹر۔ اکیسویں صدی میں اہمیت

موجودہ دور کو کمپیوٹر کا دور کہا جاتا ہے۔ کمپیوٹر اس عہد کی ایک حیرت انگیز ایجاد ہے۔ جس نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو وسیع طور پر متاثر کیا ہے۔ دور حاضر میں زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ ہو جو کمپیوٹر کی دسترس سے باہر ہو۔ کمپیوٹر ایک الیکٹرانک مشین ہے۔ جس کا دماغ (Brain) اور یادداشت (Memory) حیرت انگیز ہے۔ ایک چھوٹی سی ڈسک میں کئی کتابیں ذخیرہ کی جاسکتی ہیں۔ کمپیوٹر اور اس سے متعلقہ ٹیکنالوجی کی بدولت فاصلے سمٹ رہے ہیں۔ دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی صورت اختیار کرچکی ہے۔ گھنٹوں اور دنوں کے کام سیکنڈوں میں ہوجاتے ہیں۔ کمپیوٹر ہر میدان میں انسان کا معاون و مددگار ہے اور ہر روز علم کے نئے گوشے بے نقاب ہورہے ہیں۔ ابھی کمپیوٹر کے کمالات کی ابتدا ہے۔ انتہا دیکھئے کیا ہو؟ کمپیوٹر ایک الیکٹرانک مشین ہے۔ جس سے حسب ضرورت نتائج حاصل کرنے کیلئے ہدایات اس کے دماغ (Brain) تک پہنچائی جاتی ہیں۔ جہاں ان ہدایات پر عمل درآمد ہوتا ہے اور پھر نتائج اسکی سکرین پر نمودار ہوجاتے ہیں۔ کمپیوٹر کے بڑے اور اہم اجزا تین ہیں۔

(1) کی بورڈ (Key Board)
(2) سی۔پی۔یو یا سنٹرل پراسیسنگ یونٹ
(3) مانیٹر (Monitor)

کمپیوٹر کے پورے نظام کو ہارڈ ویئر (Hardware) اور اس کے اندر چلنے والے پروگراموں اور معلومات و نتائج کو سافٹ ویئر (Software) کہا جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے۔ کہ کمپیوٹر انسانی ہدایات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ نہ ہی کمپیوٹر کی اپنی کوئی زبان ہے۔ اس کو جو زبان سکھائی جائے یہ وہی زبان سیکھ جاتا ہے۔ اور پھر اس زبان میں انسانی ہدایات کے مطابق نتائج دینا شروع کردیتا ہے۔ آج کمپیوٹر کا استعمال زندگی کے ہر شعبے میں ہورہا ہے۔ طب، بینکاری، ڈیزائننگ، انجینئرنگ، کاروبار، تجارت، سائنس، ٹیکنالوجی، ہوائی

اور طباعت میں انقلاب آ گیا ہے۔ حسابات اور بینکنگ کے شعبے کو کمپیوٹر سے بیش قیمت مدد ملی ہے۔ اب ہر قسم کا حساب کتاب اور ریکارڈ رکھنے میں سہولت ہوگئی ہے۔ مشکل سے مشکل حسابات اور ریکارڈز کی لمحوں میں تیاری ممکن ہوگئی ہے۔ عظیم تعمیرات کے ڈیزائن جن پر سالوں صرف ہوتے تھے۔ اب منٹوں میں تیار ہو جاتے ہیں۔ میڈیکل کے شعبے میں کمپیوٹر کی خدمات بے مثال ہیں۔ اسی طرح کھیل اور تفریح کے شائقین کسی سٹیڈیم میں جائے بغیر اپنے آپ کو گھنٹوں دلچسپ کمپیوٹر گیمز میں مصروف رکھ سکتے ہیں۔

کمپیوٹر کے جدید ثمرات میں ای۔ میل اور انٹرنیٹ کا اضافہ مزید حیرتناک ہے۔ ای۔ میل گویا تیز رفتار ہرکارہ ہے۔ جو آپ کے خط اور پیغامات چند لمحوں میں دنیا کے دوسرے کونے تک پہنچا سکتا ہے۔ اسی طرح انٹرنیٹ کے ذریعے آپ کی رسائی دنیا بھر کی مارکیٹ سے لمحے ممکن ہے۔ دنیا بھر کے اہل علم و دانش اپنی تخلیقات کے ساتھ آپ کی انگلی کے اشارے ہر کے منتظر، آپ کو ہر چیز بتانے کو تیار کھڑے ہوتے ہیں۔ دنیا بھر کی لائبریریوں میں جو کچھ ہے وہ آپ کی پہنچ میں ہے۔ انٹرنیٹ کی اس عالمی مارکیٹ کی ہر دوکان (Website) دن رات کے کسی بھی لمحے آپ کی مرضی کے مطابق کھل سکتی ہے اور آپ یہاں سے اپنی مرضی کا سودا معمولی داموں حاصل کر سکتے ہیں۔ کمپیوٹر اور پھر انٹرنیٹ کے کمالات دیکھ کر قرآن حکیم کے اس فرمان کی صداقت پر ایمان اور بھی پختہ ہو جاتا ہے۔ کہ کائنات کی ہر چیز انسان کے لئے مسخر کر دی گئی ہے۔

☆☆☆☆

(۷) میرا پسندیدہ مزاح نگار

کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

زندگی زندہ دلی کا نام ہے
مردہ دل کیا خاک جیا کرتے ہیں

زندہ دلی کیلئے مزاحیہ ادب کا کردار بہت اہم ہے۔ یوں تو میں نے بہت سے مزاحیہ ادب پارے پڑھے ہیں۔ لیکن پطرس بخاری میرا پسندیدہ مزاح نگار ہے۔ پطرس بخاری عالم، ماہر تعلیم، استاد، براڈ کاسٹر، مترجم، مصنف، منتظم، مدیر اور صاحب سیاست سب ہی کچھ تھے۔ لیکن ادبی دنیا میں ان کی سب سے نمایاں حیثیت یہ ہے کہ وہ ایک بہت بڑے مزاح نگار تھے، ان کی مزاح نگاری کی کل کائنات ایک مختصر سی کتاب ہے جس کا نام 'پطرس کے مضامین' ہے۔ اس کتاب میں کل گیارہ مضامین شامل ہیں لیکن اس قدر مختصر مجموعہ ہونے کے باوجود قدر و

شوکت تھانوی مضامین پطرس کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''اگر ایک پلڑے میں اُردو کا تمام مزاحیہ ادب (اکبر الہٰ آبادی کی شاعری کو چھوڑ کر) اور دوسرے پلڑے میں مضامین پطرس رکھ دیا جائے تو مضامین پطرس والا پلڑا بھاری رہے گا۔''

موضوعات کے اعتبار سے پطرس کے مضامین میں بڑی وسعت اور تنوع ہے۔ اس میں زندگی کے ان گنت پہلو دکھائی دیں گے۔ اور ہر طرح کے رنگ چمکتے اور لہراتے نظر آئیں گے۔ طالب علمانہ بے فکریوں اور بے اعتدالیوں کے مزے، گھریلو زندگی کے مسائل اور دلچسپ واقعات، دوستوں کی نوازشات اور کرم نوازیاں، میونسپل کمیٹی کی بدانتظامیاں اور سیاسی لیڈروں کی منافقتیں اور نااہلیاں یہ وہ موضوعات ہیں جن پر پطرس نے قلم اٹھایا ہے۔

برناڈ شا کہتا ہے کہ ''سچی بات سب سے زیادہ ظریفانہ ہوتی ہے۔'' پطرس کے مضامین میں بھی عام طور سے یہی طریقہ استعمال کیا گیا ہے۔ وہ کوئی واقعہ، کیفیت یا منظر بیان کرتے ہوئے دور از کار مثالوں، مبالغہ آمیز تشبیہات اور غیر حقیقی عناصر کی آمیزش سے حتی الامکان گریز کرتے ہیں اور اس کے برعکس جس واقعہ یا ماحول کا بھی بیان مقصود ہوتا ہے اس کو حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے معرکۃ الآرا مضمون ''کتے'' میں لکھتے ہیں۔ ''علم الحیوانات کے پروفیسروں سے پوچھا۔ سلوتریوں سے دریات کیا۔ خود سر کھپاتے رہے۔ لیکن کبھی سمجھ میں نہ آیا کہ آخر کتوں کا فائدہ کیا ہے۔ گائے کو لیجیے۔ دودھ دیتی ہے۔ بکری کو لیجیے دودھ دیتی ہے۔ اور مینگنیاں بھی۔ یہ کتے کیا کرتے ہیں؟ کہنے لگے کہ کتا وفادار جانور ہے۔ اب جناب وفاداری اگر اسی کا نام ہے کہ شام کے سات بجے سے جو بھونکنا شروع کیا تو لگاتار بغیر دم لیے صبح کے چھ بجے تک بھونکتے چلے گئے تو ہم لنڈورے ہی بھلے۔''

ان سطور میں کوئی بات بھی خلاف واقعہ اور حقیقت سے دور نہیں ہے کہیں ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ زبردستی مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اس کے برعکس جو کچھ بیان کیا گیا۔ وہ امر واقعہ کے عین مطابق ہے کتے رات کے وقت جس تواتر اور تسلسل سے بھونکتے ہیں اس کا تھوڑا بہت تجربہ ہم سب کو ہے۔ اس بات کو بڑی سادگی، بھولپن اور بے ساختگی کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

ایک اور مضمون ''سینما کا عشق'' ایک ایسے شخص کا حال ہے۔ جو فلم شروع ہونے اور ہال میں تاریکی ہو جانے کے بعد ہال میں قدم رکھتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں اسے

جس قسم کی صورتحال سے واسطہ پڑے گا وہ بجائے خود اپنی جگہ مضحکہ خیز ہے اور پطرس نے اس مضحکہ خیزی کو اس قدر فنکاری سے ہمارے سامنے پیش کیا ہے کہ اس کی ایک ایک تفصیل نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے اور ہم ہر ہر جملے پر اس بدحواسی کا لطف اٹھاتے ہیں جس سے وہ شخص دوچار ہے۔ پطرس کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انھوں نے واقعات کے چھوٹے سے چھوٹے پہلو کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور ایک اچھے مزاح نگار کی طرح جزئیات کے بیان سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ یہی پطرس کا اسلوب ہے کہ بے جا خیال آرائی کرنے کی بجائے روزانہ کے حالات، تجربات اور مشاہدات کو سیدھی سادھی پر لطف زبان میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والا اپنے آپ کو اسی ماحول میں پانے لگتا ہے۔

ان کے کردار بھی ہماری ہی دنیا کے جیتے جاگتے اور ہنستے بولتے کردار نظر آتے ہیں۔ جن میں ایک طرف اگر کچھ صفات ہیں تو دوسری طرف کچھ انسانی کمزوریاں بھی ہیں۔ ''ہوسٹل میں پڑھنا'' اور ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' میں بڑی عمدگی سے طالب علمانہ زندگی کے معمولات اور طالب علموں کی نفسیات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ خاص طور پر ''سویرے جو کل آنکھ میری کھلی'' میں ایک ایسے طالب علم کی بڑی معصوم تصویر کشی کی ہے جو بڑے خلوص سے صبح اٹھ کر مطالعہ کرنے کا خواہش مند تھا۔ لیکن اپنی تمام کوششوں کے باوجود دیر تک سونے کی عادت پر قابو نہ پا سکا۔ پطرس کا مطالعہ بہت گہرا اور معلومات بہت وسیع تھیں۔ مشرق و مغرب کے ادبیات عالیہ پر ان کی نظر تھی۔ اردو انگریزی دونوں زبانوں پر انھیں یکساں عبور حاصل تھا۔ انگریزی زبان و ادب کا استاد ہونے کی وجہ سے انھوں نے انگریزی ادب کی روح کو ایشیائی مزاج دے کر اپنی تحریروں میں ایک نیا لطف اور چاشنی پیدا کر دی ہے۔ اور انگریزی ادب کے اس اثر نے ان کے اسلوب کو بگاڑنے یا خراب کرنے کی بجائے اس میں ایک خوشگوار اور خوشنما پیوند کی شکل اختیار کر لی ہے۔

☆☆☆☆

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

باب 10

اہم اقتباسات کی تشریح

پیراگراف نمبر 1

"سچ کا عجب حال ہے.....کان سے نکال دیتے ہیں"۔

سبق کا عنوان: سچ اور جھوٹ کا رزم نامہ

مصنف کا نام: محمد حسین آزاد

سیاق وسباق

مصنف نے اس سبق میں بتایا ہے کہ راست بازی سب سے مشکل کام ہے۔ چند روزہ زندگی میں انسان جھوٹ سے کام نہ لے، تو اسے جگہ جگہ ناکامی اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موجودہ دور میں تو ہر طرف جھوٹ کی عمل داری ہے۔

تشریح

اس اقتباس میں مصنف نے انسانی زندگی کی ایک بہت بڑی حقیقت اور انسان کی سب سے بڑی کمزوری کو بیان کیا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ دنیا بھر میں سچائی کو بڑی عزت دی جاتی ہے اور سچے انسانوں کی قدر بھی کی جاتی ہے۔ لیکن افسوس اپنی عملی زندگی میں لوگ عموماً سچ کو کچھ زیادہ اچھا نہیں سمجھتے۔ آدمی اپنے مفادات کے حصول کے لئے اگر ضروری سمجھتا ہے کہ جھوٹ بولے بغیر فائدے کی کوئی صورت نہیں، تو وہ آؤ دیکھتا ہے، نہ تاؤ، سچائی کو پس پشت ڈال کر جھٹ جھوٹ بول دیتا ہے اور پھر بھول جاتا ہے کہ اس کے فائدے یا کامیابی میں سچائی کی بجائے جھوٹ نے کردار ادا کیا ہے۔ اکثر و بیشتر یوں بھی ہوتا ہے کہ ہمارا بولا ہوا جھوٹ ہمارے لیے، نہ تو پشیمانی کی وجہ بن پاتا ہے اور نہ ہی کبھی ہمارے ضمیر پر بوجھ بنتا ہے۔ انسان کو جب اپنے فائدے کی کوئی صورت دکھائی دینے لگتی ہے اور اس فائدے کو پانے کے لئے جھوٹ بولنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ تو ایسی صورت میں سچ بھی برا دکھائی دینے لگتا ہے۔ سچائی

ہے، اس لئے فرار کی راہ یہی ٹھہرتی ہے کہ سچ کو سچ مان لینے کی بجائے [illegible] جائے۔ مصنف کے خیال میں یہ انسان کا سب سے بُرا روپ ہے۔ ہمیں جو بات پسند نہیں ہوتی، ہم چاہتے ہیں کہ کوئی باتوں باتوں میں اس کا ذکر تک نہ کرے۔ اگر کبھی کوئی ہماری خامی، کوتاہی یا حماقت کی نشاندہی کرتا ہے۔ تو ہم اس سچائی کو قبول کرنے اور سچ بولنے والے کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے اسے ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال باہر کرتے ہیں۔

پیراگراف نمبر 2

"ایک دن ایک شکستہ حال بڑھیا..... جائیداد واپس دلا دی گئی"۔

سبق: مامون الرشید

مصنف: علامہ شبلی نعمانی

سیاق وسباق

شبلی نعمانی نے نامور عباسی خلیفہ مامون الرشید کے بارے میں بتایا ہے کہ اس کی سلطنت ہندوستان کی حدود سے لے کر بحر اوقیانوس تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہر علاقے کے انتظام وانصرام کے لئے مامون خود اس علاقے کا دورہ کرتا۔ پوری سلطنت خوش حال تھی۔ معذوروں، یتیموں، بیواؤں اور اپاہج لوگوں کے لئے وظائف مقرر تھے۔ ملکی حالات و واقعات سے باخبر رہنے کے لئے مامون نے سترہ سو عورتیں مقرر کر رکھی تھیں، جو شہر کے چپے چپے کی خبریں لا کر مامون کو دیتیں، جن پر مناسب احکامات صادر کیے جاتے۔ ان کے علاوہ مامون الرشید ہر اتوار کو دربار عام بھی لگاتا۔

تشریح

خلیفہ مامون الرشید کا معمول تھا کہ ہر اتوار کو دربار عام لگاتا۔ جس میں انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کیا جاتا اور امیر غریب، حکمران رعایا سب کو مساوی مقام حاصل تھا۔ اس دربار کے دوران ایک بار ایک بوڑھی غریب عورت نے مامون سے شکایت کی کہ خلیفہ کے بیٹے عباس نے اس کی جائیداد چھین لی ہے۔ یہ سنتے ہی مامون الرشید نے اپنے بیٹے عباس کو بڑھیا کے برابر کھڑا کر دیا اور دونوں کے بیان سنے۔ اس دوران شہزادہ عباس ٹھہر ٹھہر کر گفتگو کرتا تھا، تاہم بڑھیا کی آواز خلاف معمول بلند ہوگئی۔ وزیر اعظم نے بڑھیا کو دربار شاہی کے آداب ملحوظ

چاہے اسے آزادی کے ساتھ بات کرنے کی اجازت ہے۔ سچائی نے بڑھیا کی آواز بلند کردی ہے، جب کہ عباس گونگا بن گیا ہے۔ آخر میں انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے خلیفہ مامون الرشید نے اپنے بیٹے عباس کے خلاف اور بڑھیا کے حق میں فیصلہ سنادیا اور بڑھیا کی ساری جائیداد واپس کردی گئی۔

پیراگراف نمبر 3

سقراط کی رائے میں.....تاریک خیال آدمی ہو۔

سبق کا عنوان: سقراط

مصنف کا نام: مہدی افادی

سیاق وسباق

سقراط یونان کے شہر ایتھنس میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک بت تراش تھا۔ وہ ابتدائے عمر میں فوج میں بھی شامل ہوا، لیکن اس کا اصل میدان فلسفہ اور فلسفے کی تدریس تھا۔ اس پر ایک غلط الزام عائد ہوا اور اسے زہر کا پیالہ پینا پڑا۔

تشریح

مصنف نے اس عبارت میں سقراط کے افکار و نظریات پر روشنی ڈالی ہے۔ ان افکار کے مطالعے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سقراط حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے بھی تین سو سال بیشتر ایسے افکار کا مالک تھا جن کی اہمیت آج کے جدید دور میں بھی برقرار ہے۔ سقراط کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ جو لوگ وقت کی قدر نہیں کرتے، وہ بہت بڑی غلطی پر ہیں۔ انسان پر لازم آتا ہے کہ وہ اپنے حال کے لمحات کو پوری محنت اور دیانتداری سے استعمال میں لاکر اپنے لیے اور اپنے معاشرے کے لئے مفید بنانے کی کوشش کرے۔ وہ لوگ جو آج کا کام کل پر ٹال دیتے ہیں، ان کا حال تو کیا، مستقبل بھی کوئی نہیں ہوتا۔ اسی طرح سقراط مستقبل کے خوف سے حال میں بچا بچا کر اور جوڑ جوڑ کر رکھنے اور بچانے کے بھی خلاف ہے اور اسے ایک فضول حرکت سمجھتا ہے۔ سقراط کا یہ خیال کتنی صحت رکھتا ہے کہ علم کے حصول کی نہ کوئی عمر ہے، نہ وقت کی قید۔ انسان اپنی عمر کے جس حصے میں بھی چاہتا ہے کہ اس کی علمی و فکری کوتاہیوں کا ازالہ ہو جائے، تو

وہ حصول علم کی طرف مائل ہوسکتا ہے۔ یہ وہ عیش ہے کہ جو ہر شخص اپنے لیے مسرت کا سب سے بڑا ذریعہ کتابوں کا مطالعہ ہے۔ بنا سکتا ہے۔ کتاب صرف عالموں کی تسکین کا ذریعہ نہیں ہوتی، بلکہ یہ کم عقل اور کم علم لوگوں کے لئے بھی دلچسپی اور مسرت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ سقراط کی یہ بات کتنی اہم ہے کہ دنیا میں سب سے قابل رحم ہستی، ایک جاہل آدمی کی ہے اور اس سے بھی زیادہ ہمدردی کا مستحق وہ شخص ہے کہ جس کا آقا بدتہذیب اور سطحی خیالات کا حامل ہو۔

پیراگراف نمبر 4

''انسان کہتا ہے..... جہالت اسی کو کہتے ہیں''۔

سبق کا عنوان: مچھر

مصنف کا نام: غلبہ حسن نظامی

سیاق وسباق

مصنف نے مچھر کے بارے میں بتایا ہے کہ ہندو، مسلمان، یہودی، امیر، غریب، گورا، کالا غرض ہر شخص مچھر کا دشمن ہے اور اسے برباد کرنے کی تراکیب ڈھونڈتا رہتا ہے۔ مچھر انسان کے الزامات کا بھرپور جواب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ نمرود کا خاتمہ بھی اسی نے کیا تھا۔ مصنف کے خیال میں مچھر کی زندگی ایک شب بیدار صوفی کی مانند ہوتی ہے۔ مچھر چونکہ اپنی فطرت سے مجبور ہے، اس لئے شاہ صاحب کے پاؤں پر بھی کاٹ لیتا ہے، لیکن وہ اسے بزرگوں کی قدم بوسی سمجھتا ہے۔

تشریح

اس عبارت میں مصنف نے انسان کے ان الزامات کا ذکر کیا ہے جو وہ مچھر پر لگاتا ہے۔ انسان مچھر کو کم ذات سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ مچھر ایسی ذلیل اور حقیر مخلوق ہے کہ جو کوڑے کرکٹ اور گندی جگہوں میں پرورش پاتی ہے۔ انسان بڑے بڑے آرام دہ اور صاف ستھرے گھروں میں رہتے ہیں، جبکہ مچھر گندی اور غلیظ موریوں میں دن بھر چھپا رہتا ہے۔ مچھر سے بڑھ کر بے غیرت اور نامرد ہستی کوئی نہیں ہے کہ یہ انسان پر اس وقت حملہ آور ہوتا ہے۔ جب انسان دن بھر کے کام کاج کے بعد آرام وسکون کی نیند سویا ہوا ہوتا ہے۔ اگر مچھر مرد ہوتا، تو

مخلوق سے مردانگی کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔ سوتے ہوئے انسان پر وار کرنا، تو انتہا درجے کی کمینگی ہے۔ مچھر کو اس بات کی اہمیت کا کچھ اندازہ ہی نہیں ہے کہ رتبے اور مقام میں انسان اور مچھر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مچھر کے تو لمبے لمبے پاؤں ہوتے ہیں۔ شکل وصورت سے بالکل کالا بھتنا لگتا ہے، چہرہ بھی عجیب بدوضع سا ہوتا ہے لیکن افسوس اس نے جس انسان کو دشمن جانا، اسے اللہ تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے، اسے گورا رنگ، اچھی شکل وصورت عطا فرمائی ہے۔ مچھر کی یہ بے عقلی اور جہالت نہیں ہے تو پھر کیا ہے کہ وہ اللہ کی سب سے پسندیدہ مخلوق کا دشمن بنا ہوا ہے۔ اسے تکلیف پہنچاتا ہے اور بیماریوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

پیراگراف نمبر 5

''اقبال نے جب ہمیں ..... اسلامی زندگی بسر کرنی تھی''۔

سبق کا عنوان: وطن اور ملت

مصنف کا نام: مولانا صلاح الدین احمد

سیاق وسباق

اس سبق میں مصنف نے بتایا ہے کہ علامہ اقبال کے تصور پاکستان سے قبل ہندوستان کے مسلمان ملت اسلامیہ کی محبت میں وطن دوستی کے جذبے کو تقریباً فراموش کر چکے تھے۔ اسلامی وطن کے قیام کی دعوت دراصل جمود سے نکال کر راس کی دنیا تک مسلمانان ہند کی شیرازہ بندی تھی، تاکہ مسلمان اسلام کی اعلیٰ تعلیمات پر خود عمل پیرا ہو کر پوری آزادی کے ساتھ ملت اسلامیہ کے اجتماعی مقاصد کا دفاع کر سکیں۔

تشریح

اس عبارت میں مصنف نے اقبال کے تصور پاکستان کی وضاحت کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اقبال کا تصور وطن عالمگیر تصور ملت سے متضاد نہیں ہے، بلکہ یہ دونوں تصورات ایک ہی منزل کے حصول کے دو مختلف راستے ہیں۔ عام طور پر جب ہم مسلمانوں کے لئے وطن کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں، تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید اس کے باعث ملت کا وسیع تر نصب العین مجروح ہو جائے گا۔ مصنف کے خیال میں حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

اسلام ایک ایسی عالمگیر دعوت ہے کہ جو وطن کی مخصوص سرحدوں کو خاطر میں لائے بغیر ساری دنیا کے مسلمانوں کو ایک ایسا اجتماعی زندگی کا تصور دیتی ہے، جو تمام اسلامی ممالک میں یکساں نتائج کے حصول کی ایک صورت پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے یہ امر ضروری قرار پاتا تھا کہ وہ بھی اپنے لیے ایک ایسا وطن قائم کریں کہ جہاں وہ پوری آزادی کے ساتھ اپنے دین کے احکامات پر کاربند ہو کر ملت اسلامیہ کے اجتماعی مفادات کے حصول کا ذریعہ بن سکیں۔ اسلامی معاشرے کے قیام کے لئے یہ بات لائق توجہ ہے کہ آزادی کے بغیر اسلامی معاشرے کا پھیلاؤ ایک حد دائرے سے کبھی نکل نہ پاتا۔ جہاں مسلمانوں کی واضح اکثریت ہوتی ہے، وہ اکثریت اپنے سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی معاملات میں آزاد بھی ہوتی ہے۔ پاکستان کے قیام کا مقصد یہی تھا کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو اپنی اسلامی تہذیب و معاشرت کی ترقی اور فروغ میں آزادی حاصل ہو۔ اسلامی طرز زندگی کے اصولوں پر عمل کرنے کے لئے بے شک ہمیں ایک خطہ ارض کی ضرورت تھی۔ پاکستان کا قیام اس ضرورت کا ترجمان اور عکاس ہے۔

پیراگراف نمبر 6

"مولوی صاحب دنیا میں ..... خون دادی ہو جائے"۔

سبق کا نام: ایک وصیت کی تعمیل

مصنف کا نام: مرزا فرحت اللہ بیگ

تشریح

مولوی وحید الدین صاحب کے نڈر ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف کہتے ہیں کہ وہ دنیا بھر میں کسی سے بھی نہیں ڈرتے تھے، لہٰذا وہ سب کے بارے میں اپنی ناقابل بیان رائے دیتے رہتے تھے۔ ہاں! اگر انہیں کسی کا ڈر تھا، تو وہ مولوی عبدالحق صاحب تھے۔ مصنف نے کئی بار کوشش کی کہ وہ مولوی عبدالحق کے بارے میں مولوی صاحب کی رائے معلوم کریں، مگر وہ کسی نہ کسی طرح بات کو ٹال جاتے۔ ان کے ٹال جانے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی رائے مولوی صاحب کے بارے میں بھی کچھ زیادہ اچھی نہ تھی، ہاں! ادب لحاظ اتنا کرتے تھے کہ ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا۔ اُدھر مصنف کے ارادے بھی اس قدر پختہ تھے کہ

مولوی صاحب چند دن مزید زندہ رہتے، تو وہ مولوی عبدالحق کے بارے میں [illegible]
جان لیتے۔ تاہم دوسرے لوگوں کے بارے میں ان کی رائے قابل بیان تھی اور اگر ان ہی کے
الفاظ میں پیش کی جائے، تو فوج داری مقدمہ ہو جائے۔

پیراگراف نمبر 7

''اُن سے جو لوگ ملنے آتے .....اور کوئی مذہب کے متعلق اپنے شکوک بیان
کر رہا ہے''۔

سبق کا نام: علامہ اقبال

مصنف کا نام: چراغ حسن حسرت

تشریح

مصنف علامہ اقبالؒ کی رہائش گاہ کا نقشہ کھینچنے اور اپنی پہلی ملاقات کی روداد سنانے
کے بعد یہ بتاتے ہیں کہ اقبالؒ سے کس قسم کے لوگ ملنے آتے تھے۔ مصنف کے مطابق اقبالؒ
کے درواز ے ہر خاص و عام کے لئے کھلے رہتے تھے۔ ان سے ملنے کیلئے آنے والوں کو مختلف
گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کچھ وہ تھے جو ہر روز بلا ناغہ ان سے ملنے آتے، کچھ لوگ
دوسرے تیسرے روز ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور کچھ ہفتہ وار حاضری کا شرف
حاصل کرتے۔ ان لوگوں کی تعداد تو بہت زیادہ ہے، جو اپنی ساری زندگی میں علامہ اقبال سے
صرف ایک آدھ بار مل پائے۔ تاہم اُن کے ہاں ہر وقت ایک میلا سا لگا رہتا اور محفل جمی رہتی
تھی۔ جب جائیں دو چار لوگ بیٹھے ہوتے تھے اور ان میں ہر قسم کے لوگ ہوتے۔ سفارش
کرانے والے، اشعار کے معنی سمجھنے والے، کچھ سیاست سے دلچسپی رکھنے والے اور بعض مذہب
پر اقبال سے رہنمائی لینے والے۔ الغرض علامہ اقبال ہر طرح کے لوگوں کو کھلے دل سے خوش
آمدید کہتے اور ان کی مدد کرتے۔

پیراگراف نمبر 8

''تمہید کے طور پر صرف اتنا عرض کرنا.....لاہور کا نام تلاش کیجئے''۔

سبق کا نام: لاہور کا جغرافیہ

مصنف کا نام: پطرس بخاری

تشریح

پطرس بخاری نے اپنے مخصوص مزاحیہ انداز میں لاہور شہر کے بارے میں بتایا ہے کہ لاہور شہر کو دنیا کے نقشے پہ اُبھرے ہوئے ایک زمانہ بیت گیا ہے۔ گویا لاہور ایک قدیم شہر ہے، سوقاری کو اس کے متعلق خود ہی معلوم ہونا چاہیے یا پھر دنیا کے نقشے کو کسی سمت گھمائیں، تو کسی عرض بلد یا طول بلد کے ملنے والے مقامات پر لاہور کا تاریخی شہر واقع ہے۔ پطرس بخاری نے طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں ہمیں یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہمیں آج بھی ان چیزوں اور شہروں کے متعلق بالکل سامنے کی وہ باتیں بتائی اور سکھائی جاتی ہیں، جنہیں ہر کوئی جانتا ہے۔ لاہور شہر اپنے مخصوص مزاج، ثقافت، کھانوں، آب و ہوا اور رہن سہن کے باعث ہر پاکستانی کا جانا پہچانا شہر ہے۔ اس طرح یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ مصنف کو سمجھ نہیں آ رہی کہ تمہید میں لاہور شہر کے متعلق ہمیں کون سی اور کس قسم کی معلومات بہم پہنچائے، کیوں کہ لاہور تو لاہور ہے۔

پیراگراف نمبر 9

"بہم رسانی آب کے لئے ایک اسکیم ..... شہر سے باہر نکلنے نہیں دیتے"۔

تشریح

پطرس بخاری نے شہر لاہور کے متعدد مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اہل لاہور کو اکثر پانی کی عدم دستیابی کی پریشانی سے دوچار ہونا پڑتا ہے، لیکن انتظامیہ اس عوامی مسئلے کی جانب کوئی توجہ نہیں دیتی۔ اس مختلف منصوبے زیر غور لائے جا رہے ہیں، لیکن وہ صرف کاغذی کارروائی تک ہی محدود ہیں، عملی طور پر کچھ نہیں کیا جاتا۔ انتظامیہ کے حیلے بہانوں اور کسی ٹھوس منصوبے کا آغاز نہ کرنے کو پطرس نے طنزیہ انداز میں بتایا ہے کہ سقے کا نظام رائج کرنے کے بارے میں غور ہو رہا ہے، لیکن جدید شہر کے لئے اس قدیم ترین نظام کو بھی رائج کرنے میں عرصہ لگے گا، مصنف نے انتظامیہ کی نااہلی پر ایک اور طنز کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اب شہر میں آب رسانی کا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ بارش کے پانی کو شہر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے۔ کمیٹی کو اس کام میں کافی کامیابی ہوئی ہے اور اب بارش کے بعد اُمید ہے کہ ہر محلہ دریا کا منظر پیش کیا کرے گا۔

پیراگراف نمبر 10

"ایک دن ہم اسی ادھیڑ بن ..... بغیر تنخواہ لیے چل دیے"۔

سبق کا نام: جنون لطیفہ

مصنف کا نام: مشتاق احمد یوسفی

تشریح

آغا جیسے تنگ چڑھے اور تنگ مزاج خانسامے سے نجات پانا از حد دشوار ہو رہا تھا۔ گھر کا ہر فرد کوئی ایسی ترکیب سوچ رہا تھا کہ جس سے آغا پُرامن طریقے سے رخصت ہو جائے، لیکن کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ ایک دن وہ خود ہی مضمون نگار کے پاس شرمندہ سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ مضمون نگار اس وقت پیٹ درد کی دوا لے کر اسی کو کوس رہے تھے کہ وہ بولا جناب! آپ کے روز بیمار ہونے سے خاندان میں ہماری رسوائی ہو رہی ہے، اس لیے کہا سنا معاف کرو، کیوں کہ ہم یہاں نوکری نہیں کر سکتے۔ یہ کہہ کر بغیر تنخواہ لیے ہی رخصت ہو گئے۔ مضمون نگار نے بتایا ہے کہ اس خانساماں کے لیے مصالحے دار کھانا پکانے کی وجہ سے سارے گھر والے بیماریوں میں مبتلا ہو رہے تھے لیکن یہ بھی قصور انہیں کے سر ڈال دیا کہ سب کے بیمار ہونے سے اس کی بدنامی ہو رہی ہے، گویا کھانا وہ بہت معیاری اور خوش ذائقہ بناتا ہے، لیکن فرق ہے تو مالکوں میں، جس کی وجہ سے وہ نوکری چھوڑنے پہ مجبور ہے۔

☆☆☆☆

Joher Videos
Joher Videos
www.joheraiou.com

چینل کو سبسکرائب کریں

YouTube Joher Videos

بالکل فری!

AIOU کے لیسن پلان۔ خلاصہ جات۔ اردو میڈیم کتابیں۔ حل شدہ اسائنمنٹ PDF میں حاصل کرنے کیلیے ہماری ویب سائیٹ وزٹ کریں

www.joheraiou.com

AIOU کے اہم ویڈیو لیکچرز اور گیس پیپرز کیلیے وزٹ کریں

www.joheraiou.com

YouTube: Joher Videos